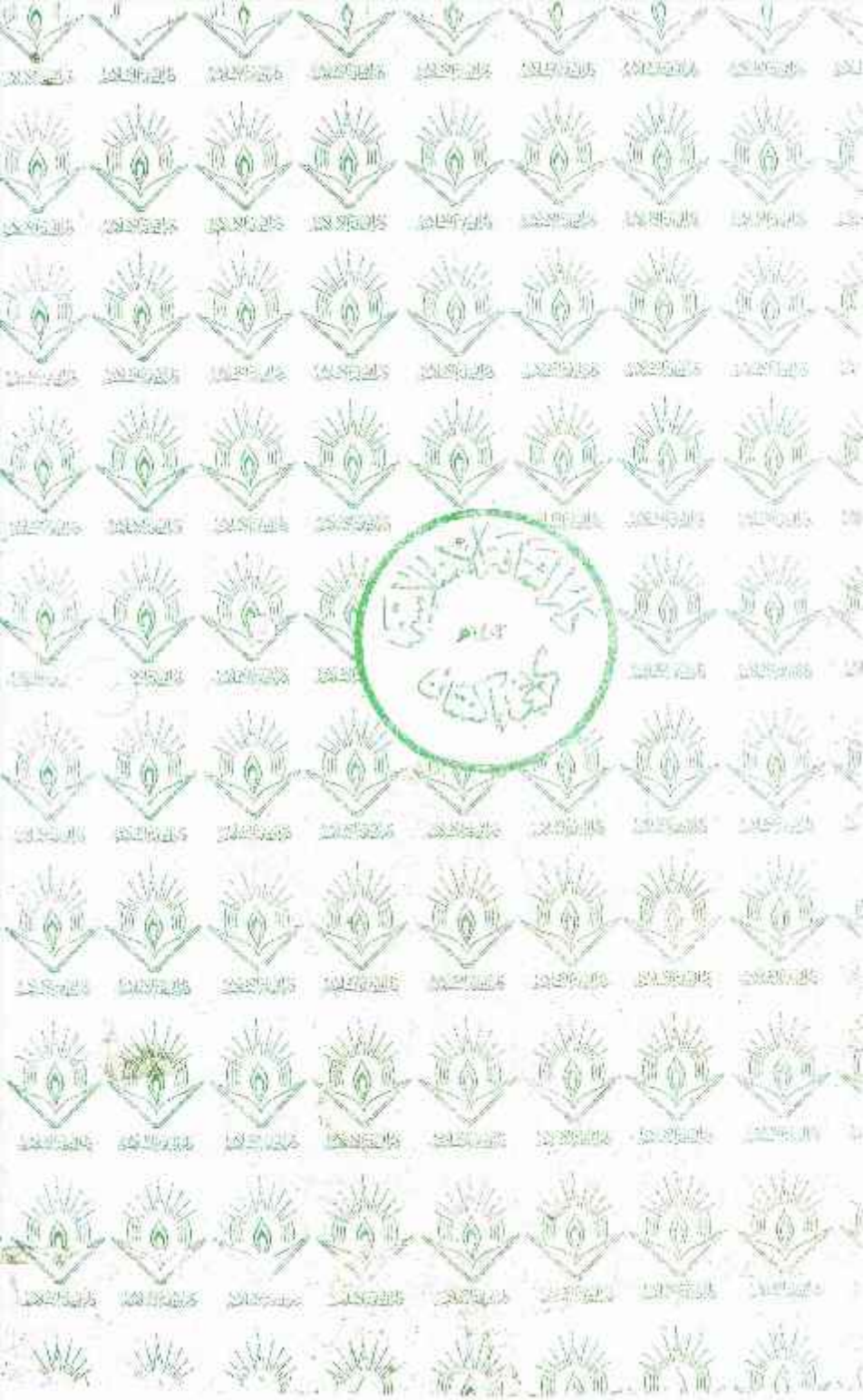


پہلے
عورت
کی
آغوش میں



استاد شہید مرتضیٰ امپہری







پر دے کی آغوش میں
عورت

استاد شہید مرتضیٰ مطہری

ناشر

بیت الفتاویٰ الامتیہ پاکستان
۲-۲-۲۰۰۴ - نام آباد - نمبر ۲ - کراچی



2004288

نام کتاب _____ عورت پرے کی آنکھوں میں
 مؤلف _____ استاد شبیبہ مرتضیٰ معطر
 مترجم _____ سید محمد موسیٰ رضوی
 ناشر _____ دار الشفا الاسلامیہ
 تعاون _____ انجمن اسلامی دانشجویان ایرانی (کراچی)
 تاریخ اشاعت _____ زینتہ ۱۳۸۶ھ جولائی ۱۹۸۶ء
 تعداد _____ ۲۰۰۰

_____ مطبع _____

یہ کتاب انجمن اسلامی دانشجویان ایرانی کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔
 * ناشر *

فہرست

● پہلا باب ●

۷ رسم پردہ کا تاریخی جائزہ

● دوسرا باب ●

۱۷ رواج پردہ کے اسباب

۱۹ ریاضت اور رہبانیت

۲۹ عدم تحفظ

۳۵ عورت کا استحصال

۴۲ حسادت مرد

۴۸ عورت کے مخصوص ایام

۵۲ قدر و قیمت میں اضافہ کا عمل

تیسرا باب

- ۵۸ اسلام میں پردے کا فلسفہ
- ۵۹ پردے کے لغوی معنی
- ۶۳ پردہ کی اصل صورت
- ۶۵ سکون نفس
- ۷۰ خاندانی روابط میں استحکام
- ۷۲ مستحکم معاشرہ
- ۷۷ عورت کا احترام

چوتھا باب

- ۷۸ پردے پر اعتراضات و اشکالات
- ۷۸ پردہ اور منطق
- ۷۹ پردہ اور حقیقت آزادی
- ۸۳ سرگرمیوں میں رکاوٹ
- ۸۹ میلان اور رغبت میں اضافہ

پانچواں باب

۱۰۴	استیذان
۱۰۶	آیات سورہ نور کی تشریحات
۱۱۳	عین اور بصر، غض اور غمض
۱۱۷	شرمگاہ کی محافظت
۱۲۰	زینت
۱۲۱	پہلا استثناء
۱۲۸	معیار پردہ
۱۳۲	دوسرا استثناء
۱۳۳	اپنی عورتیں
۱۳۶	وہ مرد جنہیں عورت کی حاجت نہیں
۱۳۷	جنسی امور سے ناواقف بچے
۱۳۹	سورہ نور کی دیگر آیتیں
۱۴۵	ازواج پیغمبر
۱۴۶	سورہ احزاب کی آیت ۵۳ کی تشریح
۱۴۸	تحفظ عصمت
۱۵۷	پردے کے حدود
۱۶۰	چہرہ اور دونوں ہاتھ
۱۶۳	موافق دلائل
۱۶۷	سالی کے باب میں حرمت نگاہ

۱۶۸	کسب نیچے کے باب میں
۱۷۰	باندی غلاموں کے باب میں
۱۷۱	ذمی عورتوں کے باب میں
۱۷۲	صحرائی یا دیہاتی عورتوں کے باب میں
۱۸۰	مخالف دلائل
۱۸۱	مسلمانوں کی سیرت
۱۸۵	اساس حقیقی
۱۹۱	ایک روایت
۱۹۳	طلب رشتہ
۱۹۷	آیت ”جلباب“
۱۹۸	اجتماعات میں عورت کی شرکت
۲۱۶	اخلاقی تاکیدات
۲۲۰	نہ پابندی، نہ آزادی
۲۲۱	فتاویٰ
۲۳۰	حص احتیاط
۲۳۲	کتمان یا اظہار
۲۳۷	دو اور مسائل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسم پردہ کا تاریخی جائزہ

اس موضوع پر تاریخی اعتبار سے میری معلومات مکمل نہیں ہیں، بیماری تاریخی معلومات اس وقت مکمل ہو سکتی ہیں، جب ہم ظہور اسلام سے قبل پائی جانے والی تمام اقوام کے بارے میں اظہار خیال کر سکیں۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام سے قبل بعض قوموں میں پردے کا وجود قائم رہا ہے۔

جہاں تک میں نے اس موضوع سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قدیم ایران، یہودی قوم اور احتمالاً اہل ہند میں بھی پردے کا رواج رہا ہے اور انکا قانون پردے کے اسلامی قانون سے زیادہ سخت مشاہدہ میں آیا ہے لیکن عرب کے دور جاہلیت میں پردہ موجود نہیں تھا اور یہ خصوصیت اسلام کے ذریعے عربوں میں پیدا ہوئی۔

ویل دوراں (WILL DURANT) تاریخ تمدن میں (فارسی

ترجمہ - جلد ۱۲ صفحہ ۳۰) یہودی قوم اور اسکے قانون پردہ کے بارے میں لکھتا ہے:

”اگر کسی عورت سے یہودی قانون پردہ کی خلاف ورزی نہ ہوگی، مثلاً وہ برہنہ سر لوگوں کے درمیان آتی یا شارع عام میں سوت کاتتی یا ہر قسم کے افراد سے اپنا دکھڑا کھتی یا تخی بلند آواز میں گفتگو کرتی کہ پڑوسی اس کی آواز سن لیں تو اس کے مرد کو یہ حق تھا کہ وہ اس کا ہر ادا کیجے بغیر اسے طلاق دیدے۔“

غرضیکہ قوم یہود میں دستور پردہ، اسلامی پردے سے کہیں زیادہ سخت اور مشکل رہا ہے جسے ہم بعد میں تفصیلاً عرض کریں گے۔

مصنف ”تاریخ تمدن“ جلد ۱- صفحہ ۵۵۲ پر قدیم ایرانیوں کے بارے میں لکھتا ہے:

”زرتشت کے زمانے میں عورتوں کا بڑا اونچا مقام تھا اور وہ کھلے چہروں کے ساتھ بڑی آزادی سے لوگوں میں آمد و رفت کیا کرتی تھیں۔“

اس کے بعد وہ لکھتا ہے:

”داریوش کے بعد خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں عورت کا مقام پست ہو گیا۔ معاشی طور پر بد حال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے انکی آزادی برقرار رہی لیکن دوسری عورتوں کے بارے میں چونکہ اُن پر چینی کے خاص دنوں میں گوشہ نشینی واجب قرار پائی تھی لہذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفہ نے دعوت اختیار کی اور انکی پوری

اجتماعی زندگی اس کی پھیلت میں آگئی اور مسلمانوں کے ہاں بھی پردے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ اونچے گھرانے کی عورتوں کو یہ جرات نہیں تھی کہ وہ پالکی کے بغیر گھر سے نکلیں۔ انہیں ہرگز کھلے بندوں مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ شادی شدہ عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی مرد کو دیکھیں خواہ وہ مرد ان کا باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ قدیم ایران کے آثار میں ہم کسی عورت کے نسل و دخل کی کوئی صورت نہیں دیکھتے اور کہیں بھی عورتوں کا تذکرہ نہیں ملتا۔“

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قدیم ایران میں پردے کی سختی کا کیا عالم تھا کہ جہاں شادی شدہ عورت کے لیے اس کے باپ اور بھائی بھی نامحرم تھے۔ ویل ڈورینٹ کے خیال کے مطابق وہ شدید قانون جس میں قدیم پارسی قوانین کے مطابق عورت اپنے ایام کے دوران ایک کمرے میں محبوس ہو جایا کرتی تھی اور سب اس سے دوری اختیار کرتے تھے، دراصل قدیم ایران میں پردے کا اصل سبب بنی ہے۔

یہودی بھی حائض عورتوں کے بارے میں کچھ ایسا ہی دستور رکھتے تھے لیکن اس جملے سے کہ:

”مسلمانوں میں بھی پردے کے معاملے میں یہی بات پائی جاتی ہے۔ اس سے انکی مراد کیا ہے۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں پردے کے رواج کا سبب

بھی وہی سخت قوانین ہیں جو ایک عائض عورت پر لاگو کیے جاتے ہیں؟ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں ہرگز اس قسم کا نہ پہلے کوئی قانون تھا اور نہ اب ہے۔ عائض عورت کو صرف نماز و روزہ جیسی چند واجب عبادات سے روکا گیا ہے، اس کے علاوہ ان ایام میں اس سے قربت بھی جائز نہیں ہے لیکن دوسروں کے ساتھ معاشرت کے اعتبار سے اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں ہے کہ جس کے سبب وہ عملاً گوشہ نشینی پر مجبور ہو جائے۔

اور اگر مراد یہ ہے کہ مسلمانوں میں رائج پردہ وہ رسم ہے کہ جو ایرانیوں کے مسلمان ہونے کے بعد تمام مسلمانوں میں سرایت کر گئی تو یہ بھی خلاف واقع ہے اس لیے کہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے سے قبل پردے سے متعلق آیات کا نزول ہو چکا تھا۔

”دلیل دوراں“ کی اس سے مابعد کی گفتگو سے ان دونوں باتوں کا پتا چلتا ہے یعنی وہ یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ پردہ ایرانیوں کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمانوں میں رائج ہوا اور اس بات کا بھی دعوے دار ہے کہ عائض عورت سے ترکِ قربت مسلمان عورتوں کے پردے یا کم از کم انکی گوشہ نشینی میں موثر رہا ہے۔

وہ اپنی کتاب (فارسی ترجمہ) جلد ۱۱- صفحہ ۱۱۲ پر لکھتا ہے:

”عربوں کا ایرانیوں سے میل جول اسلامی دنیا میں پڑے اور لواطہ کے رواج کا باعث ہوا۔ عربوں کو عورتوں کی دلہنہی پر بدگمانی رہتی تھی اور وہ ہمیشہ سے ان کے دلدادہ بھی تھے،“

تاہم وہ مردانہ غرور کے تحت ان کی عزت و محنت سے انکاری اور ان کی فطری جاذبیت پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے۔ حضرت عمر اپنی قوم سے کہتے تھے: عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کی رائے کے خلاف عمل کرو، لیکن پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو پردہ نہیں کرایا تھا۔ زن و مرد ایک دوسرے سے آزادانہ ملنے، سڑکوں پر پہلو بہ پہلو چلتے اور مسجد میں ایک دوسرے کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے:

پردہ اور خواجہ سرائی کا دستور ولید دوم کے زمانے (۱۲۶-۱۳۷ ہجری) میں رائج ہوا۔ عورتوں کی گوشہ نشینی اس لیے عمل میں آئی کہ وہ ایام حیض و نفاس میں مردوں پر حرام تھیں۔

اور پھر صفحہ ۱۱۱ پر یوں رقمطراز ہے:

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لمبی پوشاک پہننے کی ممانعت کی تھی لیکن بعض عربوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ ہر طبقہ میں زیورات کا رواج تھا۔ عورتیں اپنے آپ کو بلاؤ اور زرق برق کمر بند اور رنگا رنگ کے ڈھیلے ڈھالے لباس سے آراستہ کرتی تھیں۔ وہ اپنے بالوں کو بڑے سلیٹے کے ساتھ جوڑنے چوٹی یا پھر سیاہ ریشمی پراندے سے مزید زینت دیکر عقاب سر ڈال دیا کرتی تھیں اور کبھی یہ بال ان کے دونوں شانوں پر کبھریے ہوتے تھے۔ غالباً وہ جواہرات اور پھولوں سے بھی اپنے آپ

کو مزین کرتی تھیں۔ ۹۷۰ ہجری کے بعد سے انہوں نے اپنے
چہرے کو آنکھوں کے پچھلے حصے تک ڈھانپنا شروع کیا اور اس
کے بعد یہ عادت رواج پا گئی۔“

”ویل دوراں“ تاریخ تمدن، جلد ۱۔ صفحہ ۲۲۳ میں قدیم ایرانیوں
کے بارے میں کہتا ہے:

”داشتر رکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ داشتائیں یونانی
معشوقاؤں کی طرح آزاد تھیں اور ضیافتوں میں مردوں کے ساتھ
شرکت کرتی تھیں لیکن منکوحہ عورتیں عام طور پر گھروں میں پابند
رہتی تھیں۔ یہ قدیم ایرانی رسم بعد میں اہل اسلام کو منتقل ہو گئی۔“

”ریل دوراں“ اس طرح گفتگو کرتا ہے گویا پیغمبر اسلام کے زمانے
میں پردے سے منعلق کسی دستور العمل کا وجود ہی نہیں تھا۔ آپ نے صرف ڈھیلے
لباس کی ممانعت کی تھی اور مسلمان عورتیں پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری
صدی ہجری کے اوائل تک مکمل بے پردگی کے ساتھ لوگوں میں آجا جا کر تھیں
حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور تاریخ قطعی طور پر اس کے خلاف گواہی دیتی ہے۔
بے شک زمانہ جاہلیت کی عورت ”ویل دوراں“ کی تعریف کے مطابق ہے
لیکن اسلام نے اس سلسلے میں ایک انقلاب برپا کیا۔ حضرت عائشہ انصاری کی
عورتوں کی مدحت ان الفاظ میں کرتی تھیں:

”شائش ہے انصاری عورتوں پر کہ جو نبی سورہ نور کی آیتیں
نازل ہوئیں، ان میں کی ایک بھی ایسی دکھائی نہیں دی جو سابقہ

انداز میں گھر سے باہر نکلے۔ تمام عورتوں نے اپنے سروں کو سیاہ چادروں سے ڈھانپ لیا گویا کوٹے ان کے سروں پر بیٹھے ہوں۔ سنن ابوداؤد جلد ۲۔ صفحہ ۳۸۲ پر اسی موضوع کو جناب ام سلمہؓ سے نقل کیا گیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

”سورہ احزاب کی آیت ۵۹ ”یدنین علیہن من جلا بیبہن“ کے نزول کے بعد انصاری عورتوں نے یہ طرز عمل اختیار کیا۔“

”کیٹ گوبینو“ بھی اپنی کتاب ”ایران میں تین سال“ میں اس بات کا معتقد ہے کہ ساسانی دور کا سخت پردہ، دور اسلام میں ایرانیوں کے درمیان باقی رہا۔ اس کا خیال ہے کہ ساسانی دور میں صرف پردہ ہی مسئلہ نہ تھا بلکہ وہاں تو عورتوں کو مخفی رکھا جاتا تھا۔ وہ کتاب ہے کہ شہزادوں اور زر دشتی تہذیبی رہنماؤں کی خود سری کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص اپنے گھر کی خوبصورت لڑکی کو چھپا کر رکھتا اور حتی الامکان ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا اس لیے کہ اگر انہیں یہ علم ہو جاتا تھا کہ کسی شخص کے گھر میں کوئی خوبصورت خاتون موجود ہے تو پھر اس کا یا اپنی جان کا مالک نہ رہتا تھا۔

بھارت کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کا بھی یہی خیال تھا کہ پردہ روم اور ایران کی غیر مسلم اقوام سے دنیا کے اسلام میں داخل ہوا۔ انہوں نے

۱۔ تفسیر کشاف (سورہ نور آیت ۳۱)

اپنی کتاب "تاریخ عالم پر ایک نظر" (A GLANCE AT THE WORLD HISTORY) جلد ۱ صفحہ ۳۲۸ میں اسلامی تمدن کو سراہتے ہوئے ان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو بعد میں پیدا ہوئیں۔ وہ کہتے ہیں:

"ایک اور برہمی اور افسوسناک تبدیلی تدریجاً رونما ہوئی اور وہ عورتوں کے بارے میں تھی۔ عرب عورتوں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ وہ مردوں سے چھپ کر اور ان سے الگ زندگی بسر نہیں کرتی تھیں بلکہ عام تقریبات میں شرکت کرتی تھیں۔ مجلس، وعظ اور مساجد میں جایا کرتی تھیں بلکہ خود بھی وعظ اور تقریریں کیا کرتی تھیں لیکن عربوں نے اپنی کامیابیوں کے زیر اثر رفتہ رفتہ ان مراسم کو اپنا یا جو ان کے دو پر دسی ممالک روم اور ایران میں رائج تھے۔ انہوں نے روم اور ایران کی شہنشاہیت پر غلبہ پایا مگر خود ان شہنشاہیوں کے غیر پسندیدہ آداب و عادات کے اسیر ہوئے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ قیسنطنیہ اور ایران کی شہنشاہیت کا اثر و نفوذ تھا جس نے مردوں سے عورتوں کی جدائی اور پردہ نشینی کو عربوں میں رواج دیا اور "حرم" کا نظام عمل میں آیا اور مرد و زن ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔"

یہ ایک غیر حقیقی گفتگو ہے، فقط بعد کے زمانے میں غیر عرب تازہ مسلمانوں سے عربوں کے میل جول نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں

مروج پردہ کو زیادہ سخت کر دیا نیز یہ کہ اسلام نے بنیادی طور پر پردہ کے مسئلہ کو اہمیت ہی نہیں دی ہے۔

نہرو کے اظہار خیال سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل روم بھی دشابید قوم یہود کے زیر اثر پردے کی خصوصیت کے حامل تھے اور اس رسم ”حرم سراوادی“ نے روم اور ایران سے اسلامی خلقاء کے دربار میں راہ پائی۔ اس نکتہ کی دوسروں نے بھی تائید کی ہے۔

ہندوستان میں بھی نہایت سخت اور شدید قسم کا پردہ رائج تھا لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی وہاں رائج تھا یا اس کے بعد وجود پذیر ہوا اور غیر مسلم آبادی نے مسلمانوں اور خاص طور پر ایرانی مسلمانوں سے اسے اپنایا۔ جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کا پردہ بھی قدیم ایرانی پردہ کی طرح شدید رہا ہے۔ تاریخ تمدن کی دوسری جلد میں ”ویل ڈونٹ“ کی گفتگو سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل ہند کا پردہ مسلمان ایرانیوں کے ذریعے ہندوستان میں رائج ہوا۔

نہرو اپنی اس تمام گفتگو کے بعد کہتا ہے :

” افسوس کہ یہ غیر مرغوب رسم آہستہ آہستہ اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت بن گئی اور ہندوستان نے بھی مسلمانوں کے یہاں آنے پر اسے ان سے سیکھ لیا۔“

نہرو کے خیال کے مطابق ہندوستان کا پردہ مسلمانوں کے ذریعے اس سرزمین میں وارد ہوا ہے لیکن اگر ہم ریاضت اور ترک لذت کے رجحان کو پرے

کے ظہور کا سبب جائیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہندوستان نے قدیم ترین ایام سے پردہ کو اپنایا ہے کیونکہ وہ ریاضت اور مادی لذتوں سے نفرت کے تصور کا ایک قدیم مرکز واقع ہوا ہے۔

”رسل“ اپنی کتاب ”ازواج اور اخلاق“ کے صفحہ ۱۳۵ پر رقمطراز ہے:

”جیسے موجودہ مہذب معاشروں میں جنسی تعلقات پائے جاتے ہیں ان کے دو محرک ہیں جن میں سے پہلے محرک کو یقین پلا اور دوسرے کو عشق کی آلودگی پر راہبانہ اعتقاد کہا جاسکتا ہے۔ زمانہ ما قبل مسیح اور مشرق بعید کے ممالک میں آج تک جو جنسی تعلقات پائے جاتے ہیں وہ اس پہلے محرک ہی کا نتیجہ ہیں لیکن ہندوستان اور ایران اس پہلے محرک سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ بظاہر یہی وہ مقامات ہیں جہاں جنسی تعلق سے پرہیز عمل میں آیا اور پھر وہاں سے ساری دنیا میں پھیل گیا“

بہر حال جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل دنیا میں پرہے کا وجود رہا ہے اور اسلام اسکا موجد نہیں ہے لیکن یہ بات کہ اسلامی پرہے کے حدود قدیم اقوام میں رائج پرہے سے ہمنوا ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ جو علت اور جو فلسفہ اسلام کے اعتبار سے پردہ کو واجب قرار دیتا ہے کیا وہی علت اور وہی فلسفہ دنیا کے دیگر مقامات میں بھی پرہے کے ظہور کا سبب ہے؟ ہم اسے کتاب کے آئندہ حصوں میں تفصیل سے پیش کر چکے۔

لے برٹنڈ رسل ایک انگریز دانشمند اور فلسفی ہے۔ اسکا شمار حریت پسندوں میں بھی ہوتا ہے وہ ۱۸۴۲ء کو آئرلینڈ میں پیدا ہوا۔ رسل دنیا کا مانا ہوا ریاضی دان مانا جاتا ہے۔ روح اور اسکا تجزیہ۔ ازواج اور اخلاق خوش قسمتی پر تسلط۔ جیل کے چھرمینوں کی یادیں۔ مغربی فلسفہ کی تاریخ۔ عرفان و منطق اور اصول ریاضی اسکی یادگار تخریریں ہیں۔

رواجِ پردہ کے اسباب

پردے کے ظہور کا سبب اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟ وہ کس طرح لوگوں یا بعض قدیم اقوام میں ظہور پذیر ہوا؟ اسلام نے جو ایک ایسا دین ہے کہ جس کے تمام قوانین کسی نہ کسی فلسفہ کے حامی ہیں، کیوں اور کس مصلحت کی بنیاد پر پردہ کی تائید یا تائیس کی؟

پردے کے مخالفین کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ ظالمانہ اقدامات کو پردے کے ظہور کا سبب قرار دیں۔ وہ اس سلسلے میں اسلامی اور غیر اسلامی پر مے میں تفریق نہیں کرتے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی پردہ بھی انہی ظالمانہ اقدامات کی پیداوار ہے۔

پردے کے وجود پذیر ہونے کے اسباب میں مختلف نظریات بیان کیے گئے ہیں جن میں زیادہ تر یہ کوشش کی گئی ہے کہ پردے کو ایک ظالمانہ اور جاہلانہ عمل ظاہر کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو نظریات ہم تک پہنچے ہیں وہ

منطقی، اجتماعی، اخلاقی، اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں کے حامل ہیں جنہیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

- ۱- ریاضت اور رہبانیت کی طرف میلان۔ (منطقی سبب)
 - ۲- عدم تحفظ اور عدم عدالت۔ (اجتماعی سبب)
 - ۳- مرد کا عورت پر تسلط، اس پر حکمرانی اور اقتصادی فوائد کے حصول کی خاطر اس کی توانائیوں کا استحصال۔ (اقتصادی سبب)
 - ۴- مرد کا جذبہ حسد اور خود خواہی۔ (اخلاقی پہلو)
 - ۵- عورت کے مخصوص ایام اور یہ احساس کہ وہ خلقت میں مرد سے کم تر واقع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ سخت قوانین جن کے تحت عورت کی ناپاکی کے دنوں میں اس سے ترک معاشرت اختیار کی جاتی تھی۔ (نفسیاتی پہلو)
- یہ مذکورہ اسباب کسی بھی صورت میں دنیا کے کسی خطہ میں پردے کے وجود پذیر ہونے میں موثر نہیں رہے ہیں اور بلاوجہ انہیں پردے کے ظہور کا سبب قرار دیا گیا ہے اور بعض محال اگر بعض غیر اسلامی مذاہب میں موثر رہے ہیں تو اس سے اس حکمت اور فلسفہ کا کوئی مرد کار نہیں کہ جو اسلام میں پردے کی تشریح کا سبب ہوا۔
- جیسا کہ ہم ملاحظہ کر رہے ہیں پردے کے مخالفین کبھی پردے کو دنیا اور اس کی لذتوں کے بارے میں ایک خاص منطقی طرز فکر کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کے لیے سیاسی اور اجتماعی پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں اور کبھی اسے اقتصادی اسباب کا نتیجہ بتاتے ہیں یا پھر اخلاقی یا نفسیاتی پہلوؤں کو اس کی وجود پذیری میں ذخیل گردانتے ہیں۔
- ہم ان تمام اسباب کا تذکرہ کر کے ان پر تنقید کریں گے اور ثابت

کریں گے کہ اسلام اپنے اجتماعی فلسفہ میں مذکورہ اسباب سے کسی بھی طرح متاثر نہیں ہوا اور ان میں سے کوئی بھی اسلام کے جانے پہچانے مسلم اصولوں سے توافق نہیں رکھتا۔ آخر میں ہم ایک بنیادی سبب کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہماری نظر میں ان سب سے زیادہ بہتر سمجھا جاتا ہے۔

ریاضت اور رہبانیت

ریاضت اور رہبانیت کی پردے سے وابستگی کا سبب یہ ہے کہ چونکہ عورت مرد کی مسرت و کامرانی کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ لہذا اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل کر رہیں تو بہر طور ان کی توجہ حصول لذت اور شاد کامی کی طرف جائے گی۔

رہبانیت اور ترک لذت سے وابستہ افراد ماحول کو پوری طرح زبردور ریاضت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے زن و مرد کے درمیان حجاب کے قائل ہوتے ہیں اور انہوں نے پردے کو رواج دیا۔ ان کا یہ عمل صرف عورت تک محدود نہیں تھا بلکہ ہر وہ چیز جو عورت کی طرح لذت اور لطف اندوزی کی محرک تھی، انہوں نے ان سب کے ساتھ جنگ کی۔ اس نظریے کے مطابق پردے کی ظہور پذیری، ازدواج کو اچھا نہ سمجھنے اور تنہائی پسندی کو مقدس جاننے کا نتیجہ ہے۔

ریاضت اور ترک دنیا کے نظریہ نے جس طرح دولت کے بارے میں فقر پسندی اور دنیا اور اس سے متعلق تمام مادی وسائل کو ٹھکرانے کا فلسفہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح عورت کے بارے میں بھی تجرد اور خوبصورتی کی مخالفت اس کا مطمح نظر ہے۔ بالوں کو نہ تراشنے کا عمل جو سکھوں، ہندوؤں

اور بعض درویشوں میں رائج ہے۔ اسی خوبصورتی سے مخالفت، شہوات سے جنگ، ترک لذت اور ریاضت سے میلان کا رجحان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بالوں کو تراشنا اور انہیں چھوٹا کرنا جنسی رغبت میں اضافے کا سبب ہے۔ اس موقع پر پرنسٹن یونیورسٹی کی کنگسٹون قابل ذکر ہے۔ وہ اپنی کتاب ”ازدواج اور اخلاق“ کے صفحہ ۳۰ پر لکھتا ہے:

”خاص طور پر سچیت کی ابتدائی صدیوں میں سینٹ پال (مقدس پولس) کا طرزِ تفکر چرچ سے بڑی شد و مد کے ساتھ پھیلا یا گیا کہ تجرد کو تقدس کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بے شمار لوگ بیباکوں کی طرف چل نکلے تاکہ اس شیطان کو مغلوب کریں جو ان کے اذہان کو شہوانی تصورات کی آماجگاہ بنائے رکھتا ہے۔ چرچ نے غسل اور بدن کی صفائی کی بھی مخالفت کی کیونکہ انسانی بدن کے اعضا اسے گناہ کی طرف راغب کرتے ہیں۔ چرچ نے بدن کے میل کو بھی تحسین کی نگاہ سے دیکھا اور جسم سے نکلنے والی بدبو نے بھی مقامِ مقدس پالیا، کیونکہ سینٹ پال کی نظر میں بدن کی صفائی اور سجاوٹ، روح کی پاکیزگی سے میل نہیں کھاتی۔ اس نے جسم اور لباس کی غلاطت سے پیدا ہونے والی جوڑوں کو خدا کا موٹی قرار دیا تھا۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر ریاضت اور رہبانیت سے نوع بشر کی رغبت کا سبب کیا ہے؟ انسان کو نظر ثانیاً شاد کام اور لذت طلب ہونا چاہیے۔ لذت سے پرہیز اور خود کو اس سے محفوظ رکھنے کی کوئی تو دلیل ہوگی؟ ہم جانتے ہیں کہ رہبانیت اور لذت سے نفرت وہ سلسلہ ہے جو بیشتر

نقاطِ عالم میں پایا جاتا ہے اور ان کے مراکز مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں یونان رہے ہیں۔ فلسفہ سے تعلق رکھنے والی "کلبی" جماعت جسے یونان میں بڑا فروغ حاصل تھا "فقر" کی حامی اور مادی لذتوں کی مخالف تھی۔
 اس قسم کے افکار و خیالات کے ظہور کا ایک سبب بشر کا حصولِ حقیقت سے لگاؤ بھی ہے۔ یہ لگاؤ بعض افراد میں غیر معمولی شدت کا حامل ہے اور اگر اس میں یہ خیال بھی شامل ہو جائے کہ روح پر انکشافِ حقیقت اسی وقت ممکن ہے جب بدن اور اس کی خواہشات کی تحقیق کی جائے تو ریاضت اور رہبانیت اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں یہ سوچ کہ حق تک پہنچنا

لے کلبی جماعت کا مورثِ اعلیٰ "انیس ٹینس" نامی سقراط کا ایک شاگرد ہے۔ وہ اپنے استاد کی طرح اکتسابِ فضیلت کو مقصدِ حیات جانتا تھا لیکن فضیلت اس کی نگاہ میں نامِ جسمانی اور روحانی مفادات سے ترک تعلق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اور اس کی جماعت کو "کلبی" اس لیے کہا جاتا تھا کہ "انیس ٹینس" کی تقریریں "آتن" شہر کے اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں جسے بعض وجوہات کی بنا پر "سفید کتا" کہا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے پیروکاروں نے دنیا اور علاقہٴ دنیا سے صرفِ نظر میں اس حد تک مبالغہ کیا کہ وہ رہن سہن کے آداب و رسوم اور متمدن زندگی کی ضروریات سے دستبردار ہو گئے اور انہوں نے جانوروں کی سی زندگی اختیار کی۔ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر پھٹے پرائے پڑیں اور الجھے بالوں کے ساتھ راجھل کے پیوں کی طرح لوگوں کے درمیان آتے اور کسی کا لحاظ کیے بغیر جو جی میں آتا کہ گزرتے۔ انہیں اپنے فقر اور درد رنج سنے کی عادت پر بڑا افتخار تھا۔ وہ ان تمام قیود و حدود سے دستبردار ہو گئے تھے جو اجتماعی زندگی میں نوعِ بشر کے لیے ضروری ہیں (یورپ میں فروغِ علم۔ جلد ۱۔ صفحہ ۷۰)

بجز فنا، نیستی اور ہوائے نفس کی مخالفت کے ممکن نہیں، ریاضت اور ربانیت کے ظہور کا اصلی سبب ہے۔

ریاضت کے وجود میں آنے کا سبب مادی لذتوں سے بعض حقیقی تکلیفوں کا اتصال ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ مادی لذتوں میں روحانی لذتوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اگرچہ صاحب دولت ہونا بے پناہ خوشیوں اور کامیابیوں کا موجب ہے لیکن اس کے حصول اور حفاظت میں ہزار ہا تکالیف، مصائب اور لذتوں کا سامنا ہے۔ انسان نے جب یہ دیکھا کہ وہ اپنی آزادی، استغنا اور طبع بلند کو ان مادی لذتوں کے باعث کھو رہا ہے تو اس نے تمام لذتوں سے منہ پھیر لیا اور تجرد اور استغنا کو اپنا شعار بنایا۔ شاید اہل ہند کی ریاضت میں پہلا سبب اور یونانی کلبیوں کی فقر طلبی میں دوسرا سبب کارفرما رہا ہے۔

ریاضت اور لذت سے گریز کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مادی کامیابیوں میں محرومیت اور شکست، خاص طور پر عشق میں ناکامی انسان کی توجہ کو ریاضت کی سمت معطوف کرتی ہے۔ ایسی ناکامیوں کے بعد انسان مادی لذتوں سے انتقام لینے کے لیے انہیں حرام قرار دیتا ہے اور اس کے لیے ایک نیا فلسفہ بیان کرتا ہے۔

عیش و آرام میں زیادتی بھی ریاضت کی طرف میلان کا ایک سبب ہے۔ حصول لذت کے لیے انسان کی جسمانی ظرفیت محدود ہے اور جب یہ عمل حد سے بڑھ جاتا ہے تو روح پر اس کا رد عمل خاص طور پر پیرانہ سالی میں بڑا شدید ہوتا ہے اور اس سے تھکاوٹ اور انفعال جنم لیتے ہیں۔

ان دو اسباب کی تاثیر ناقابل انکار ہے لیکن مسلمان ہم انہیں قطعی قرار

نہیں دے سکتے۔ ان دو اسباب کی تاثیر یہ ہے کہ ناکامیوں یا تھکاوٹ اور فرسودگی کے بعد روح میں حقیقت کو پالینے کا خیال جاگ اٹھتا ہے۔ مادی افکار میں ڈوبنا انسان کو ازلیت، ابدیت اور جاودانی حقیقت کے بارے میں سوچنے سے روکتا ہے اور اس امر کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے، اب کہاں ہے اور اسے کدھر جانا ہے لیکن جوہنی مادی امور میں ناکامی اور خستگی کے باعث اس میں گریز اور بیزاری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، بھولے ہوئے افکار اپنا راستہ ہموار پا کر اٹھرنے لگتے ہیں۔ یہ دونوں اسباب ہمیشہ پہلے سبب کی معاہدت کے ساتھ لوگوں کو ریاضت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ افراد جو ریاضت کا میسر اٹھاتے ہیں دوسرے اسباب سے ہٹ کر انہی دو اسباب کے زیر اثر اس میدان کا رخ کرتے ہیں۔

تبصرہ :

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نقطہ نظر اور اس طرز فکر سے کہ جسے اسلام نے پوری دنیا کے لیے پیش کیا ہے، کیا پردے کی یہ توجیہ و تعلیل درست ہے؟ خوش قسمتی سے اسلام ایک روشن طرز فکر کا حامل ہے۔ انسان، دنیا اور لذت کے بارے میں اس کا نظریہ بڑا واضح ہے اور اچھی طرح سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ میں ایسی فکر پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ رہبانیت اور ترک لذت، دنیا کے مختلف مقامات پر موجود رہی ہے اور شاید وہ مقامات جہاں ایسی فکر حکم فرما ہے وہاں پردے کو اس کا نتیجہ سمجھا جائے، لیکن پردے کا تعین کرنے والے اسلام نے کہیں بھی ایسے کسی سبب کو دلیل قرار نہیں دیا اور نہ ہی ایسا فلسفہ

روح اسلام اور اس کے دیگر قوانین سے مطابقت رکھتا ہے۔

اصولی طور پر اسلام نے ریاضت اور رہبانیت سے متعلق افکار سے جنگ کی ہے اور اس بات کو یورپی مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے سر کی جوئی کو اللہ کا موتی قرار نہیں دیا ہے بلکہ صفائی اور پاکیزگی کی تلقین کی ہے۔ "النجافة من الایمان" رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اس حال میں دیکھا کہ اس کے بال بکھرے اور کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: "من الدین المتعہ" یعنی اللہ کی نعمتوں سے تمتع اور استفادہ دین کا حصہ ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا: "بئس العبد القاذور" یعنی بدترین بندہ، غلیظ اور ناپاک انسان ہے۔ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام فرماتے ہیں: "ان اللہ جمیل ویحب الجمال" خداوند عالم خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: خداوند عالم کی ذات مرقع حسن ہے اور وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا بندہ اپنے آپ کو سنوارے اور ستھرا رکھے، لیکن اس کے برعکس اسے ناداری اور بد حالی پسند نہیں۔ آپ نے فرمایا اگر خداوند عالم نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہے تو ضروری ہے کہ اس نعمت کا اثر تمہاری زندگی میں ظاہر ہو۔ آپ سے پوچھا گیا کہ خدا کی نعمت کا اثر کیونکر ظاہر ہوگا؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ انسان اپنا لباس صاف ستھرا رکھے، اچھی خوشبو استعمال کرے، اپنے گھر کو سفیدی اور رنگ روشن کرے، گھر کے بیرونی حصہ میں جھاڑو لگائے۔ اسکے علاوہ غروب آفتاب سے پہلے اپنے گھر کی بتیاں روشن کرے کہ یہ امر وسعت رزق کا سبب ہے۔

شہ، ۲۵، ۳۵۵ رسائل - جلد ۱ - صفحہ ۳۷۷

شہ و رسائل - جلد ۱ - صفحہ ۲۷۸

قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہزار سال پرانی کتاب ”کافی“ کہ جو ہماری دسترس میں ہے، اس میں ”باب الزی والتجمل“ کے عنوان سے ایک باب موجود ہے۔ اسلام نے بالوں کی کٹکھی، خوشبو کے استعمال اور سر میں تیل ڈالنے کی سخت ہدایت کی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب نے بہتر اور بیشتر عبادت اور روحانی لذتوں سے بہرہ مند ہونے کے لیے بیوی بچوں سے کنارہ کیا۔ وہ تمام دن روزہ رکھتے اور شب عبادت میں گزارتے تھے۔ جو انہی یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوئی، آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا میں تمہارا پیشوا ہوتے ہوئے بھی ایسا نہیں کرتا ہوں فقط رات کے ایک حصے میں عبادت میرا معمول ہے۔ انہیں افراد نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو جنسی اعتبار سے ناکارہ بنا لیں۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اسلام ان باتوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ ایک دن تین عورتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے شوہروں کی شکایات لائیں۔ ایک نے کہا: میرے شوہر نے گوشت کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دوسری نے عرض کیا: میرا شوہر خوشبو سے اجتناب کرتا ہے۔ تیسری نے کہا: میرا شوہر عورتوں سے دوری اختیار کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصے کی اس کیفیت میں کہ ان کی ردا زمین پر گھسٹ رہی تھی، گھر سے مسجد کا رخ کیا اور منبر پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا: آخر کیوں میرے اصحاب میں سے بعض نے گوشت، بعض نے خوشبو اور بعض نے عورتوں سے پرہیز کر رکھا ہے جبکہ میں خود ان تمام چیزوں سے استفادہ کرتا

ہوں؟ جو کوئی بھی میری روش سے اعراض کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔
 عربوں میں راج غیر معمولی لمبی پوشاک کے برخلاف جو زمین پر گھسٹتی چلی
 جاتی تھی قدر سے اونچے لباس کا حکم اس صفائی اور پاکیزگی کی خاطر ہے کہ جو ابتدائی
 آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئیں: ”وَشَابِثٌ فَطَهَّرَ لَمْ“
 اسی طرح سفید پوشاک زیب تن کرنے میں استحباب کے دو وجوہات
 ہیں ایک خوبصورتی اور دوسرے اس کا صاف ستھرا پن۔ کیونکہ سفید لباس میل کو
 زیادہ وضاحت سے نمایاں کرتا ہے اور اس موضوع کی طرف روایتوں میں اشارہ
 ہوا ہے: ”البسوا البیاض فانہ اطیب واطہر“ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و
 آلہ وسلم جب اپنے اصحاب کے پاس جانا چاہتے تھے تو آئینہ دیکھتے۔ اپنے بالوں
 کو کنگھی فرماتے اور اپنے آپ کو آراستہ کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے خداوند عالم
 کے نزدیک وہ بندہ پسندیدہ ہے جو دوستوں کے پاس جانے سے پہلے اپنے
 آپ کو آمادہ و آراستہ کرتا ہے۔

۱۔ کافی۔ تالیف محمد بن یعقوب کلینی۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۹۶ اور وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۴۲
 اپنے آپ کو جسٹی اعتبار سے ناکارہ کرنے کی نہی کے سلسلے میں رجوع فرمائیں۔ صحیح بخاری
 جلد ۷ صفحات ۲-۵ اور ۳۰۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۹ اور ہندوستان میں چھپنے والی
 جامع ترمذی صفحہ ۱۷۲۔

۲۔ اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا رکھیے۔ (سورۃ مدثر۔ آیت ۲)

۳۔ وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۲۸۰

۴۔ وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۲۷۸

قرآن کریم نے وسائلِ تجمل کو بندوں کے لیے الطافِ الہی قرار دیا ہے اور دنیا کی زمینوں کو اپنے آپ پر حرام قرار دینے کو سختی سے روکا ہے: "قل من حرم الله المتى اخرج لعباده والطيبات من الرزق"

احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت اطہار علیہم السلام نے اہل تصوف سے بار بار مباحثہ کیا ہے اور ان کے نظریہ کو اسی آیت سے باطل قرار دیا ہے۔

اسلام نے زوجہ اور شوہر کے باہم محفوظ ہونے کی نہ صرف یہ کہ مخالفت نہیں کی ہے بلکہ اس کے لیے اجر و ثواب بھی بتایا ہے۔ شاید ایک انگریز کے لیے یہ بات حیران کن ہو کہ اسلام نے زن و شوہر کی ایک دوسرے سے دل لگی، شوہر کے لیے عورت کا سنگھار اور شوہر کا زوجہ کے لیے خود کو پاکیزہ کرنے کو مستحب جانا ہے۔ پرانے زمانے میں جب چرچہ تمام شہوانی لذائذ کا مخالف تھا تو ان باتوں کو ناجائز بلکہ مذاق سمجھا جاتا تھا۔

اسلام نے غیر ازدواجی صورت میں جنسی لذت اندوزی کو سختی سے منع کیا ہے۔ اس بارے میں اس کا اپنا ایک فلسفہ ہے جسے ہم بعد میں بیان کریں گے۔ تاہم اس نے جنسی لذت کے قانونی حدود کے اندر رہنے کو اچھا جانا ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا عورت کی چاہت انبیاء کی صفات میں سے ہے: "حسن اخلاق الانبياء حب النساء"

اسلام میں اس عودت کی سرزنش کی گئی ہے جو شوہر کے لیے اپنے بناؤنگھا میں کوتاہی کرتی ہے۔ اسی طرح ان مردوں کی بھی مذمت کی گئی ہے جو اپنی عورتوں

لے کہ دو اسے رسل کرکس نے پاکیزہ روزی اور خدا کی ان زمینوں کو جسے اس نے اپنے

بندوں کے لیے خلق فرمایا ہے حرام قرار دیا ہے۔ (سورۃ اعراف - آیت ۳۲)

۳۷ وسائل جلد ۱ صفحہ ۲۷۹ ۳۷ وسائل الشیخ جلد ۳ - صفحہ ۳

کی خوشنودی حاصل نہیں کرتے۔

حسن بن جہم کہتا ہے کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ خضاب لگا رہے تھے۔ میں نے عرض کی آپ نے سیاہ رنگ کا خضاب انتخاب فرمایا ہے؟ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: ہاں مرد کی آراستگی، اس کی عورت کی پاکدامنی میں اصناف کا باعث ہے۔ بعض عورتیں اپنی عفت کو اس لیے کھودیتی ہیں کہ ان کے مرد اپنے آپ کو آراستہ نہیں رکھتے۔ ایک اور حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی گئی ہے کہ:

”تنظفوا ولا تشبهوا بالیہود؟“

یعنی نچھو اور یہودیوں کے مشابہ نہ بنو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یہودی عورتوں نے اس لیے زنا کاری اختیار کی کہ ان کے شوہر غلیظ اور میلے کھیلے رہتے تھے اور طبیعت ان کی طرف راغب نہیں ہوتی تھی۔ تم اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھو تا کہ تمہاری بیویاں تمہاری طرف مائل ہوں۔ عثمان بن مظعون، اکابر صحابہ رسولؐ سے ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ وہ راہبوں کی تقلید میں ترک دنیا کریں۔ انہوں نے عورت، گھر اور تلذذات سے ترک تعلق اختیار کیا۔

ان کی زوجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ عثمان نے اپنا یہ وطرہ بنا لیا ہے کہ دن کو روزہ رکھتا اور تمام رات عبادت گزار میں بسر کرتا ہے۔ رسول خدا کو یہ بات ناگوار گزری اور آپ ان کے پاس پہنچے۔ عثمان نماز میں مشغول تھے۔ آپ نے ان

۱۰ مکالمہ الاخلاق صفحہ ۹۱

۱۱ منج الفصاحتہ

کی نماز ختم ہونے وی اور پھر کہا: اے عثمان خداوند عالم نے مجھے رہبانیت کا حکم نہیں دیا ہے۔ میرا دین حقیقت پر مبنی اور بہت سادہ اور آسان ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى بِالْحَمْدِ وَلَكِنْ بَعَثَنِي بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمِيلَةِ السَّبْحَةِ“

یعنی خداوند عالم نے مجھے رہبانیت اور ریاضت کے لیے نہیں بھیجا بلکہ مجھے ایک آسان فطری اور درگزر کی حامل شریعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں اور اپنے ازواج کے ساتھ اپنے ازدواجی تعلقات بھی استوار رکھتا ہوں۔ جو کوئی میرے فطرت سے مطابقت رکھنے والے دین کو پسند کرتا ہے اسے چاہیے کہ میری پیروی کرے۔ ازدواج میری سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔

عدم تحفظ

پردے کے ظہور کا ایک اور سبب عدم تحفظ بیان کیا گیا ہے۔ زمانہ قدیم میں نا انصافی اور عدم تحفظ کے واقعات کی بہتات تھی۔ لوگوں کا مال و متاع اور ان کی ناموس سرکشوں اور طاقتوروں سے محفوظ نہیں تھی۔ صاحبان دولت اپنی دولت کو دینوں کی صورت میں زیر زمین دفن کرنے پر مجبور تھے۔ خزانوں کے محفوظ رہنے کا سبب یہ تھا کہ صاحبان سیم و زر اپنے دفینے کا پتا اس خوف سے اپنے بچوں تک کو نہیں دیتے تھے کہ کہیں ان کا راز بچوں کے ذریعے کھل نہ جائے۔ اس طرح کبھی ایسا اتفاق رونما ہوتا کہ باپ گمانی

موت سے راہی ملک عدم ہوا اور اپنے راز سے کسی بچے کو آگاہ نہیں کر سکا اس کے نتیجے میں اس کی دولت ہمیشہ کے لیے مٹی کے ڈھیر تلے دب جاتی۔ "اسٹو زہبک و زہابک و مذہبک" کا مشہور مقولہ اسی دور کی پیداوار ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی دولت، اپنی منزل سفر اور اپنے عقیدہ کو کسی پر ظاہر نہ کرو۔

جس طرح دولت و ثروت کے لیے کوئی تحفظ نہیں تھا اسی طرح عورت کی ذات بھی محفوظ نہیں تھی۔ خوبصورت عورتوں کے خاوند اپنی عورتوں کو اہل زور کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور تھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ان کی عورت دوسروں کی ملکیت بن جاتی تھی۔

ساسانی دور میں ایران اس قسم کے دردناک واقعات و حادثات سے دوچار رہا ہے۔ شاہزادے، زروشتی علماء حتیٰ کہ رُسا اور چودھری حضرات بھی جب کسی گھر میں کسی خوبصورت عورت کا نشان پاتے تو اس گھر میں گھس کر اس عورت کو اس کے شوہر سے چھین لیتے تھے۔ اس زمانے میں معاملہ پردے اور حجاب کا نہ تھا بلکہ عورت کو اس طرح چھپانا اور مخفی رکھنا مقصود تھا کہ کسی کو اس کا پتا نہ چلے۔ "ویل دوراں" اس سلسلے میں اپنی کتاب "تاریخ تمدن" میں قدیم ایران سے متعلق بڑے شرمناک واقعات نقل کرتا ہے۔ "کانٹ گوینیو" اپنی کتاب "ایران میں تین سال" میں لکھتا ہے کہ اس وقت ایران میں رائج پردہ دراصل اسلام سے زیادہ قبل اسلام کے دور سے وابستہ تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ قدیم ایران میں عورتوں کے لیے کوئی تحفظ نہیں تھا۔

نوشیرواں کے بارے میں۔ جو غلط طور پر "عادل" مشہور ہے۔ لکھا

ہے کہ اس نے اپنے فوجی کرنل کی خوبصورت بیوی سے اس کی غیر موجودگی میں
تجاوز کیا۔ جب اس کا خاندان گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اسے سارا ماجرا کہہ
سنایا۔ بیچارے خاندان نے سوچا کہ بیوی تو ہاتھ سے جا رہی ہے لیکن اب اس کی
اپنی جان بھی خطرے میں ہے لہذا اس نے فوراً اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ جب
نوشیروان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو اس
نے مذکورہ کرنل سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم ایک خوبصورت باغ کے مالک
تھے اور ابھی حال ہی میں تم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ آخر کیوں؟

کرنل نے جواب دیا: میں نے اس باغ میں شیر کے بیٹوں کے نشان دیکھے،
مجھے خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ شیر مجھے بھی نہ پھاڑ کھائے۔

نوشیروان ہنسنا اور کہا: نہیں۔ اب وہ شیر اس باغ میں نہیں آئے گا۔
اس عدم تحفظ کا تعلق صرف ایران اور اس کے گزشتہ ادوار سے نہیں
ہے بلکہ ”دستان راستان“ میں ہم نے ”اکوھی رات کی اذان“ کی جو داستان
نقل کی ہے، اس میں یہ تذکرہ ہے کہ اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات بغداد
میں اس وقت رونما ہوئے جب وہاں کے تختِ خلافت پر مادراء انہر کے
لوگوں کا قبضہ تھا۔ ابھی ہمارے قریبی دور میں ایک شاہزادے نے اصفہان
میں اس طرح کی بہت سی زیادتیاں کیں اور اصفہان کے لوگ اس کے دوڑھکوت
سے متعلق بہت سے واقعات نقل کرتے ہیں۔

تبصرہ:

ہم گزشتہ ادوار کے عدم تحفظ، نا انصافیوں اور اس کے نتیجے میں عورت
کی پردہ نشینی کے منکر نہیں ہیں، یقیناً پردے اور اس کے متعلق تصورات کی سختی
انہی تاریخی واقعات کا نتیجہ ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کیا اسلام میں بھی پردے

کا یہی فلسفہ رہا ہے ؟

اول تو یہ بات درست نہیں کہ ہمارے دور میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہو گیا ہے۔ اسی یورپ اور امریکا کی صنعتی دنیا میں جسے ہم غلط طور پر تمدن دنیا کہتے ہیں جیرتناک حد تک زنا یا بجر کے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں۔ جب تمدن دنیا کی یہ کیفیت ہو تو پھر نیم تمدن یا پورے طور پر وحشی قوموں کی کیا صورت ہوگی۔ جب تک دنیا میں شہوت کی حکومت قائم ہے اس وقت تک ناموس کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ واقعے کی صورت مختلف ہوتی ہے۔ بھی فلاں خان صاحب یا فلاں چودھری صاحب اپنے مسلح آدمی بھیج کر کسی عورت کو اس کے گھر سے اچک لیتے ہیں اور کبھی کسی شب کی محفل میں رقص و سرود کے درمیان اسے اپنے شوہر اور بچوں سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے حادثات یا مختلف ذرائع سے اغوا کی وارداتیں ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے ہیں۔

ایرانی روزنامہ "اطلاعات" اپنے ۱۹۴۶-۹-۶ شمسی کے شمارہ میں امریکی

عورتیں جنسی حملوں کی زد پر" کے عنوان سے ایک رپورٹ میں لکھتا ہے؛
" واشنگٹن۔ ایسوسی ایٹڈ پریس۔ امریکی حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرنے والے تین محقق ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ امریکا میں اس انجیلس وہ مقام ہے جسے زنا یا بجر کے واقعات میں اوبت حاصل ہے اور اس سلسلے میں واشنگٹن تیرھویں درجے پر آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واشنگٹن میں نواتین جنسی حملوں کی زد میں نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اس شہر میں دوسرے شہروں کی نسبت عورتیں کو زیادہ تحفظ حاصل ہے یاس انجیلس میں ہر ایک لاکھ افراد میں ۵۲ افراد زنا یا بجر کے واقعہ

سے دوچار ہوتے ہیں جبکہ ڈائنگٹن میں اس کا تناسب ۱۶/۷ ہے۔ نیویارک میں چھ ماہ کے عرصے میں آبروریزی کے ۳۰۰۰ واقعات پولیس کے ہاں درج کرائے گئے ہیں۔ شکایات درج کرائے والوں میں چھ سال سے ۸۸ سال تک کی عمر کے افراد شامل ہیں لیکن بیشتر شکایوں کی عمر ۱۴ سال ہے۔

پس یہ دعویٰ کہ دورِ حاضر میں عورت کو مکمل تحفظ حاصل ہے اور صاحبانِ عصمت و عفت کو اس بارے میں مطمئن ہونا چاہیے۔ یہ ایک مفروضے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ثانیاً اگر ہم یہ فرض کریں کہ دنیا میں مکمل طور پر عصمت کو تحفظ حاصل ہے اور اب زنا بالجبر کا کہیں وجود نہیں۔ کسی کی عصمت دری میں اب دونوں کی مرضی شامل ہوتی ہے تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ پردے کے بارے میں اسلام کا کیا نظر ہے۔ کیا عدم تحفظ کی بنیاد پر اسے رائج کیا گیا ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اب جبکہ مکمل طور پر یہ تحفظ برقرار ہے تو پھر پردے کو رائج رکھنے کے لیے کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔

یقیناً اسلام میں پردے کا سبب عدم تحفظ نہیں ہے اور ہم اسے پردے کے وجود کا بنیادی سبب قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ نہ تو یہ ہمارے اسلامی آثار میں پردے کے اسباب کے عنوان سے پہنچایا گیا ہے اور نہ ہی ایسی کوئی بات تاریخ سے مطابقت رکھتی ہے۔ جاہل عربوں میں پردے کا رواج نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انہیں اپنی خاص قبائلی اور بدوی زندگی کے سبب انفرادی تحفظ حاصل تھا۔ یعنی جس وقت ایران میں پردہ بھی رائج تھا اور انفرادی عدم تحفظ اور عصمت دری کے واقعات حدِ آخر کو پہنچ چکے تھے، عرب قبائل میں اس طرح کی بد فعلی موجود نہیں تھی۔

قبائلی زندگی میں جس تحفظ کی کمی تھی وہ اجتماعی تحفظ تھا اور پردہ اس طرح کے عدم تحفظ کا مداوا نہیں کر سکتا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے پر شہنشاہ مارا اور جو کچھ ہاتھ لگتا لے جاتا، اس لوٹ مار میں عورت اور مرد دونوں اسیر ہوتے اور عورت کا پردہ اسے تحفظ نہیں دے سکتا تھا۔

دور جاہلیت کے عربوں کا رہن سہن، آج کل کی مشینی اور صنعتی زندگی سے یکسر مختلف اور متفاوت ہونے کے باوجود اس اعتبار سے دورِ حاضر ہی کے مانند تھا کہ اس میں زنا اور فحشا، کی بہتات تھی اور اس میں شوہر دار عورتیں بھی شامل تھیں لیکن ایک خاص طرح کی ڈیموکریسی اور استبدادی حکومت کے فقدان کے سبب کسی کی عورت کو زبردستی اس کے گھر سے باہر نہیں نکالا جاسکتا تھا۔ تاہم یہ فرق قابلِ ملاحظہ ہے کہ وہ انفرادی عدم تحفظ جو آج کے مشینی دور میں ہے اس زمانے میں موجود نہیں تھا۔

پردہ ان لوگوں کے تجاوز سے بچاؤ کے لیے ہے جو یکجا طور پر باہم زندگی بسر کرتے ہیں۔ عادات و اطوار کی بنیاد پر کسی قبیلہ کے افراد میں اس طرح کی تجاوز کاریاں نہیں پائی گئیں۔ لہذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام نے تحفظ کی برقراری کے لیے پردے کا حکم جاری کیا تھا۔

پردے کا بنیادی فلسفہ کچھ اور ہے جسے ہم بعد میں عرض کریں گے۔ فی الحال ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ مرد کی تجاوز کاریوں سے عورت کے تحفظ کا مسئلہ مطلقاً پیش نظر نہیں رہا ہے۔ آگے چل کر آیہٴ "جلباب" کی تفسیر میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن مجید نے اس اصل پر توجہ دی ہے۔ میں اس بات کا مدعی بھی نہیں ہوں کہ ہمارے اس عہد میں یہ فلسفہ لایعنی ہے اور اس کا تعلق اس دور سے ہے جب عورتوں کو مردوں کی زیادتیوں سے تحفظ حاصل

نہیں تھا کیونکہ ترقی یافتہ ممالک میں زنا بالجبر کے واقعات ہم آئے دن اپنے اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔

عورت کا استحصال

بعض افراد نے عورت کے پردے کو اقتصادی پہلو سے نسبت دیکر یہ کہا ہے کہ پردہ مرد کے عہد مالکیت اور تسلط کی یادگار ہے۔ مردوں نے عورتوں سے اقتصادی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کا کینڑوں اور غلاموں کی طرح استحصال کیا۔ انہوں نے عورتوں کو خانہ نشین بنایا اور انہیں اس بات پر مطمئن کرنے کے لیے کہ ان کا از خود گھر سے نکلنا معیوب ہے۔ پردے اور خانہ نشینی کا تصور ان کے ذہن نشین کرایا گیا۔

اس تخیل کو پیش کرنے والوں نے نان و نفقہ اور حہر سے متعلق مسائل کو بھی عورت پر مرد کی مالکیت کی دلیل قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

”ایران کے مدنی اور اساسی قوانین پر تنقید“ نامی کتاب کے صفحہ ۲۷

پر درج ہے:

”جس وقت ایران کا مدنی قانون مدون ہوا، اس وقت دنیا کے بعض حصوں میں بردہ فروشی کے آثار پائے جاتے تھے اور ایران میں بھی اگرچہ ظاہری طور پر یہ رسم ختم ہو چکی تھی لیکن پھر بھی مقننین کے ذہنوں میں بردہ فروشی اور اپنے ماتحتوں کو تکلیف پہنچانے کا عنصر موجود تھا۔ عورت کو ان دنوں ایک بکاؤ مال سمجھا جاتا تھا۔ اسے مردوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اجتماعات میں شرکت کرنے اور حکومتی مناصب تک پہنچنے کا

حق نہیں تھا۔ اگر عورت کی آواز کسی نامحرم تک پہنچ جاتی تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی۔ مختصر یہ کہ اس زمانے کے مرد عورت کو ایک ایسی مشین سمجھتے تھے جس کا کام صرف امور خانہ داری اور بچوں کی پرورش تک محدود تھا اور اگر کبھی اتفاقاً وہ گھر سے باہر جانا بھی چاہتی تو اسے سر سے پاؤں تک سیاہ چادر میں پیٹ کر روانہ کیا جاتا تھا۔“

اس پوری عبارت میں لکھنے والے کی افترا پر دازی اور اسکی غرض و غایت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کب اور کہاں اس قانون کا عمل در آمد تھا کہ اگر عورت کی آواز کوئی نامحرم سن لے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی تھی؟ کیا یہ افکار ایک ایسے معاشرے کی پیداوار ہو سکتے ہیں جس کے مذہبی خطباء آئے دن منابر سے جناب سیدہ اور جناب زینب صلوٰہ اللہ وسلامہ علیہما کی ان تقریروں کو لوگوں کی سماعت تک پہنچاتے رہتے ہیں جنہیں ان ہستیوں نے مسجد نبوی اور کوفہ و شام کے بازاروں میں گوش گزار فرمایا تھا۔ کب اور کہاں عورت ایران کی مسلم آبادی میں مرد کی کینز رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ مسلم گھرانوں میں اسلامی احکام کے تحت عورت سے زیادہ مرد اس کا خیال رکھتا ہے اور اس کے لیے تمام آسائشات فراہم کرتا ہے۔ عورت ان گھروں میں ظلم، زیادتی اور تحقیر و اہانت کا شکار رہی ہے جہاں روح اسلام کا فقدان تھا یا اس میں کمزوری پائی جاتی تھی۔

تعجب کا مقام ہے، وہ لکھتا ہے: ”عورت کو یہ حق نہ تھا کہ وہ مردوں کے ساتھ نشست و برخاست کرے۔“ میں کہتا ہوں کہ اس کے برعکس صاف ستھرے اسلامی ماحول میں مرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غیر عورت کے ساتھ

اپنی بیٹھک جماتے۔ مرد وہ ذات ہے جو ہمیشہ عورت کو لذت دیدار اپنی نشا و کامی کا ذریعہ قرار دینے میں حریص ہوتا ہے۔ ہرگز کوئی مرد فطرتاً مائل نہیں ہوتا کہ اس کے اور عورت کے درمیان کوئی حجاب حائل ہو اور جہاں کہیں یہ حجاب برطرف ہوا وہاں مرد کی حیثیت اور عورت کی ہار مسلم ہے۔ آج مرد آزادی اور مساویانہ حقوق کے خوبصورت ناموں سے اس حجاب کو برطرف کر کے عورتوں کو اپنے یہودہ مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ عورت کی بردگی کو ہر کھلی آنکھ مشاہدہ کر رہی ہے۔ مرد مادی فوائد کے حصول کے لیے عورت کو اپنے تجارتی مراکز میں ماڈل کے طور پر پیش کر رہا ہے اور وہ اپنی شرافت کو چند ٹکوں کے عوض کھلے بندوں کیلئے کر رہی ہے۔

اس طرح کی نشست و برخاست جس کی مصنف اور اس کے ہم خیال افراد کو متناہی سوائے مرد کی منفعت جوئی اور عورت کی منفعت رسانی کے اور کچھ بھی نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جہاں عورت سے مرد کی کوئی مادی غرض وابستہ نہ ہو ایسے صاف ماحول کی نشست و برخاست کو اسلامی معاشرے نے کبھی ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔

اسی کتاب کے لکھنے والے نے سماجی علوم کے اعتبار سے عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور اس فطری اور اشتراکی مرحلہ سے متعلق ہے جس میں مرد و زن بغیر کسی قید و شرط کے آپس میں میل ملاپ رکھتے تھے۔ اس دور میں مصنف کے خیال کے مطابق بنیادی طور پر گھر بلوز ندگی کا تصور موجود نہیں تھا۔

دوسرا دور مرد کی حاکمیت کا دور ہے جہاں اس کو عورت پر غلبہ حاصل تھا اور وہ اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھتا تھا، اس نے عورت کو محض ایک فرمانبردار

کینز کی صورت دے رکھی تھی اور پردہ اسی دور کی یادگار ہے۔

تیسرا دور عورت کے قیام اور اعتراض کا مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں عورتیں مردوں کی زیادتیوں سے بیزار ہو کر ان کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں اور جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ مردوں کی سخت طبیعت اتنی آسانی سے ان کے حقوق کی رعایت کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کو منوانے کے لیے مردوں کے خلاف تدریج شور و شکر کی تنظیموں کا قیام عمل میں آیا۔ ان کے اثر و دستاویز تقریروں اور گروہ بندیوں کے ذریعے سے انہوں نے مردوں سے مقابلہ کیا۔ ضمناً جب انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ مردوں کی منہ زوری اس غیر صحتمندانہ تربیت کا نتیجہ ہے جو انہیں بچپن میں اور خاص طور پر لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان ترجیحی روش سے حاصل ہوئی ہے تو انہوں نے تعلیم و تربیت کے عمومی نقائص کو دور کرنے کی کوشش کی۔

چوتھے دور میں عورت اور مرد کے درمیان مساویانہ حقوق کی گفتگو ہے اور یہ صورت حال پہلے دور سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ یہ دور انیسویں صدی کے اواخر سے شروع ہوا ہے اور ابھی تک اسے ہمہ گیری حاصل نہیں ہوئی۔ اس منطق کی رو سے عورت کا پردہ مرد کے ہاتھوں عورت کی اسیری سے عبارت ہے اور اس اسیری کا سبب یہ ہے کہ مرد اس سے زیادہ سے زیادہ اقتصادی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تبصرہ :

ان چار ادوار میں عورت اور مرد کے روابط کی تاریخی تقسیم اس ناکام تقلید کا نتیجہ ہے جسے کیونز م کے پیروکاروں نے اقتصادی عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا اور یہ موضوع ان کے نزدیک تمام اجتماعی امور کا سنگِ بنیاد

ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نوع بشر کے تاریخی ادوار پہلے اشتراکی دور، ملوک الطوائفی دور اور اسی طرح سرمایہ داری کیونترم اور دوسرے اشتراکی دور سے عبارت ہیں اور یہ دوسرا اشتراکی دور پہلے اشتراکی دور سے مکمل طور پر مشابہت رکھتا ہے۔

سابق الذکر کتاب میں عورت کی زندگی کے ادوار سے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ سب اسی کی نقل ہے مگر ایسی نقل جو کسی صورت سے ٹھیک نہیں بیٹھتی ہمارے نظریے کے مطابق عورت کی زندگی میں ایسے ادوار کبھی نہیں رہے ہیں اور ان کا وجود بعینہ از امکان ہے۔ وہی پہلا اشتراکی دور جس کا تذکرہ کیا گیا ہے سماجی علوم کی تاریخ کے اعتبار سے کسی طور پر درست نہیں۔ سماجی علوم کی تاریخ اب تک کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکی کہ جس سے وہ یہ بنا سکے کہ نوع بشر میں کوئی ایسا دور بھی گزرا ہے جس میں گھریلو یا خاندانی زندگی کا فقدان رہا ہو۔ ہم ادوار کی اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے بلکہ صرف اس دعوے پر بحث اور تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ مرد کی مالکیت عورت کے پردے کا سبب رہی ہے۔

ہم اس بات کو تمام اقوام میں کلی اصول کے طور پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ مگر شہتہ ادوار میں عورت کو ذریعہ منفعت سمجھتا تھا اور اس سے اقتصادی فائدے حاصل کرنا چاہتا تھا۔

زوجیت سے مربوط محبت ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مرد زبردست ”طبقہ“ بن کر عورت کو زبردست ”طبقہ“ میں شمار کرے اور اس پر حکومت چلا کر اس کا استحصال کرے۔ یہ بات بالکل ایسی ہی ہے جیسے ہم کہیں کہ گزشتہ ادوار میں ماں باپ ایک ”طبقہ“ بن کر دوسرے ”طبقہ“ کی صورت میں اپنی اولاد پر حکومت کر کے ان کا استحصال کرتے تھے۔ ماں باپ اور اولاد کے درمیان محبت کی زنجیر ایک ایسی انہونی بات کی مانع بنتی ہے۔ زوجین کے درمیان

محبت و چاہت کی فضا پکھلے ادوار اور گزشتہ اقوام میں آج سے زیادہ رہی ہے اور عورت نے اپنے حسن و جمال اور قوت کشش کے ذریعے مردوں کے قلوب پر حکمرانی کی ہے اور انہیں اپنی خدمت پر مامور کیا ہے۔ مرد اپنی رضا و رغبت سے عورت کا نان و نفقہ فراہم کرتا ہے تاکہ اسے خوش اور سکھی رکھ سکے۔ اس نے عورت کو محاذ جنگ سے دور رکھ کر خود بال بچوں کی حفاظت کے لیے قیام کیا۔

لیکن ساتھ ہی ہم اس کا انکار بھی نہیں کرتے کہ مرد نے گزشتہ ادوار میں عورتوں اور بچوں پر زیادتی نہیں کی ہے اور ان دونوں سے اقتصادی فائدہ حاصل نہیں کیا ہے۔ اس نے تو خود اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ہے۔ مرد نے دستخصال اور منفعت جوئی سے نہیں بلکہ اپنی جہالت اور بے جا تعصب کے سبب اپنے آپ پر بھی ظلم کیا ہے اور اپنے بال بچوں پر بھی۔ اس نے اقتصادی اعتبار سے عورت کی خدمت بھی کی ہے اور اس سے اقتصادی فائدہ بھی حاصل کیا ہے۔ جب کبھی مرد کی طبیعت میں خشونت پیدا ہوتی، عشق و محبت کا زور اس کے وجود میں کمزور پڑ گیا اور اس نے عورت کو ایک اقتصادی آلہ کار سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھایا لیکن ہم اس کو انیسویں صدی سے قبل کے معاشروں پر محیط ایک کلیہ قرار نہیں دے سکتے۔

عورت کے حقوق کی پامالی، اس کا دستخصال اور اس پر ظلم و زیادتی فقط انیسویں صدی سے پہلے کے دور ہی تک منحصر نہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں بھی عورت کے حقوق گزشتہ سے کچھ کم پامال نہیں ہوئے ہیں۔ البتہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس صدی کی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ اب اس پر منطقی دلائل کا ایک پردہ ڈال دیا گیا ہے۔

ہمارا موضوع گفتگو اسلام ہے۔ آخر اسلام نے اپنے احکامات میں

پر دے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے۔ کیا وہ عورت کو اقتصادی اعتبار سے مرد کی خدمت میں حاضر کرنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلام میں پر دے کا یہ مقصد نہیں ہے۔ اسلام نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ مرد عورت سے اقتصادی فوائد حاصل کرے بلکہ اس نے سختی سے اسکی مخالفت کی ہے۔ اسلام نے قطعی طور پر یہ ناقابل تردید اعلان کیا ہے کہ مرد کو کسی عنوان سے بھی عورت سے اقتصادی استفادہ کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ کہ عورت اقتصادی آزادی کی حامل ہے، اسلام کے قطعی مسلمات میں سے ہے۔ عورت کا کام اسلام کے نقطہ نظر سے خود اس سے وابستہ ہے۔ عورت اگر چاہے تو گھر میں سوچنے جانے والے کام کو بلا معاوضہ نیک عملی کی صورت میں انجام دیتی ہے اور اگر نہ چاہے تو مرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے مجبور کرے، یہاں تک کہ وہ دودھ پلائی کے مسئلہ میں بھی باوجود اس کے کہ یہ عمل زوجہ کے فرائض میں شامل ہے تاہم یہ فرض اس کے حق اجرت کو ساقط نہیں کرتا۔ یعنی اگر زوجہ بالفرض ایک ہزار روپے کے عوض اپنے فرزند کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور ایک غیر عورت بھی اس کام کے لیے اتنے ہی معاوضہ کی طلب گار ہے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو مقدم رکھے۔ فقط اس صورت میں باپ بچے کو دایہ کے سپرد کر سکتا ہے جب اس کی زوجہ دایہ سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرے۔ عورت اپنے لیے ہر کام کا انتخاب کر سکتی ہے مگر یہ کہ وہ کام گھر کے نظام اور ازدواجی حقوق پر اثر انداز نہ ہو اور پھر اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی مطلق طور پر خود اس کی اپنی ذات سے متعلق ہوگی۔

اگر اسلام میں پردہ عورت کے اقتصادی استحصال سے عبارت تھا تو وہ عورت کو مرد کی بیگار کے لیے مقرر کرتا۔ یہ بات قطعاً معقول نہیں ہے کہ

ایک طرف تو وہ عورت کی اقتصادی آزادی کا قائل ہو اور دوسرے طرف پرے کو اس کے استحصال کے لیے وضع کرے پس اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا۔

حسادت مرد

پر وہ کے لیے ایک اور پہلو جس کا ذکر کیا گیا ہے اخلاقی حیثیت کا حال ہے۔ یہاں بھی سابقہ نظریہ کی طرح پردے کے وجود میں آنے کے سبب کو مرد کا تسلط اور عورت کی جمہوری سے تعبیر کیا گیا ہے مگر اس فرق کے ساتھ کہ یہاں مرد کی تسلط یا بانی کے لیے اقتصادی پہلو کے بجائے اخلاقی پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ مرد کا عورت کو یوں اسیب بنا کر رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسرے مردوں کے لیے حسد اور خود غرضی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص اس کے گھر میں رہنے والی عورت پر نظر ڈالے یا اس سے ہمکلام ہو۔

اس گروہ کے عقیدے کے مطابق دینی اور مذہبی قوانین نے باوجود اس کے کہ دوسرے مقامات پر خود غرضی اور خود پرستی کے ساتھ جنگ کی ہے مگر اس مقام پر معاملہ برعکس ہے اور اس نے مردوں کی اس خود خواہی کو قرین صحت جانا ہے۔

برٹریڈ رسل کہتا ہے: انسان مال و متاع کے سلسلے میں خود خواہی اور نخل پر کسی حد تک غلبہ حاصل کر سکا ہے لیکن عورت کے بارے میں اس کی یہ کوشش ناکام رہی ہے۔

رسل کے نظریہ کے مطابق ”غیرت“ کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح کا نخل ہے۔

رسل کے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ اگر بخش و عطا دولت کے بارے میں اچھی ہے تو عورت کے بارے میں بھی اچھی ہونی چاہیے۔ بخل، تنگ نظری اور حسادت اگر مال کے لیے مذموم ہے تو وہ عورت کے باب میں کیوں قابل تعریف ہو؟

آخر کیوں دوسروں کو کھانا کھلانا، روٹی سالن کا انتظام کرنا، اقتصادی اخلاق کے اعتبار سے قابل تعریف و تجید ہے اور یہی بذل و عطا، ایثار اور دوسروں کو مسرت بخشنا جنسی اخلاق میں کیوں مذموم و مقہور ہے؟ رسل جیسے افراد کی سوچ میں اس قسم کی تبدیلی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اخلاق، جنسی امور میں انسان کی خودخواہی اور حاکمیت پر غلبہ حاصل نہ کر سکا بلکہ اس کے برعکس وہ خود پرستی کا شکار ہوا اور اس نے اس پرستی اور فرومایگی کو مرد کی جانب سے "غیرت" اور عورت کی جانب سے پردہ اور پاکدامنی کا نام دیکر اسے اخلاقِ حسنہ کے عنوان سے قبول کیا ہے۔

تدقیقاً:

ہماری نگاہ میں مرد عورت کی پاکدامنی کا خواہاں ہے۔ یعنی وہ خاص طور پر یہ چاہتا ہے کہ اس کی زوجہ پاکدامنہ ہو۔ تاہم خود عورت بھی اپنے تئیں اس صفت سے منصف رکھنا چاہتی ہے۔ اس کی طبع حساس میں یہ رجحان بھی پایا جاتا ہے کہ اس کے شوہر کے کسی اور عورت سے تعلقات نہ ہوں لیکن ہمارے خیال کے مطابق اس رجحان کا تعلق کسی اور سلسلے سے ہے، حالانکہ مرد کا رجحان بھی کچھ اسی طرح کی کیفیت کا حامل ہے۔ تاہم ان دونوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مرد کی سوچ غیرت سے متصل ہے یا پھر وہ حسادت و غیرت کا مجموعہ ہے لیکن عورت کے وجود میں صرف حسادت کا دخل ہے۔

ہم فی الحال مرد میں پاکدامنی کی ضرورت اور میاں بیوی کے درمیان اس ضرورت کی اہمیت کے بارے میں گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

ہماری گفتگو فی الحال مرد میں پائے جانے والے اس احساس سے متعلق ہے جسے غیرت کہا جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا غیرت حسادت ہی کا دوسرا نام ہے یا پھر وہ اس سے مختلف کوئی اور حقیقت ہے۔ دوسرے یہ کہ کیا مرد کے احساس غیرت کا احترام اسلامی پردہ کی اساس ہے یا اس میں دوسرے وجوہات کا عمل دخل ہے؟

پہلی بات کے بارے میں ہم معتقد ہیں کہ حسادت اور غیرت دو بالکل ہی مختلف صفات ہیں اور ہر ایک کی بنیاد مختلف ہے۔ حسادت، خودخواہی اور ذاتی احساسات و جذبات کی پیداوار ہے لیکن غیرت صنفی اور اجتماعی احساس کا موقع ہے اور اس کی افادیت اور اس کا رُخ ہمیشہ دوسروں کی طرف ہوتا ہے۔

غیرت ایک طرح کی محافظت ہے جسے خالق بشر نے نسلوں کی نشا اور انہیں اختلاط سے بچانے کے لیے انسان کے وجود میں سمور کھا ہے۔ دوسروں سے اپنی عورت کے میل ملاپ کے سلسلے میں مرد کی غیر معمولی حساسیت کا راز یہ ہے کہ فطرت نے اسے آئندہ نسل میں نسب کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہے اور یہ احساس چاہت کے اس احساس کی طرح ہے جو ایک باپ اپنے بیٹے کی نسبت رکھتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اولاد کے سلسلے میں باپ کو کتنے دکھوں اور کتنے اخراجات کا بار اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر انسان میں اپنی اولاد کے لیے غیر معمولی حد تک محبت و چاہت کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ کبھی تو والد و تناسل اور حفاظت نسل کے لیے اقدام نہ کرتا۔ اسی طرح

اگر مرد میں غیرت نہ ہوتی کہ وہ اس کھیتی کی حفاظت کرے جس میں اسے بیج بونا ہے تو نسلوں کا رابطہ کلی طور پر ایک دوسرے سے منقطع ہو جاتا اور کوئی باپ اپنی اولاد اور کوئی بچہ اپنے باپ کی شناخت نہیں کر سکتا تھا۔ رابطہ کا یہ انقطاع انسان کے اجتماعی شعور کو متزلزل کرتا ہے۔

خودخواہی کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کے لیے انسان کو غیرت سے کنارہ کش ہونے کی رائے دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اولاد سے رغبت کے جذبہ کو بلکہ کلی طور پر انسانی ترجم کو اس لیے چھوڑ دیا جائے کہ وہ ایک نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے حالانکہ نچلے درجہ کی نفسانی خواہشات سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ایک بلند پایہ انسانی خواہش سے ہم آہنگ ہے۔

نسل کے تحفظ کی خواہش عورت میں بھی موجود ہے لیکن وہاں کسی محافظ کی ضرورت نہیں اس لیے کہ ماں سے اولاد کی نسبت ہمیشہ محفوظ ہے اور اس میں شبہ کی گنجائش نہیں اور ہمیں سے سمجھا جاسکتا ہے کہ مرد کے کسی دوسری عورت سے روابط میں عورت کی ممانعت مرد کے جذبہ غیرت سے مختلف ہے عورت کی حسدیت یا اس کے جذبے کو ہم اس کی خودخواہی اور خود پسندی سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن مرد کی غیرت مندی جیسا کہ ہم پہلے کہ چکے ہیں نوعی اور اجتماعی پہلو کی حامل ہے۔ ہم مرد کی حسادت اور خود پسندی کے منکر نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر بالفرض مرد اپنی حسادت کے جذبے کو فوجت اخلاق سے ختم کر دے، تب بھی اس میں ایک طرح کا اجتماعی احساس موجزن ہوگا جو اسے اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ اس کی زوجہ کسی غیر مرد سے رابطہ رکھے۔ مرد کی حسدیت کو صرف حسادت کے جذبے میں منحصر کرنا ہمارے نزدیک بالکل غلط اور ناقابلِ قبول امر ہے۔

بعض روایتوں میں بھی اس موضوع کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مرد

میں غیرت اور عورتوں میں مساوت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت کے لیے ایک نکتہ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ وہ مرد کی مطلوب و محشوق بن کر رہے۔ اس کی دلربائی، جلوہ گری، خود نمائی اور بنا دستگار کا تمام تر مقصد مرد کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرنا ہے۔ عورت وصال اور جنسی لذت سے زیادہ مرد کی گرویدگی اور فریفتگی کی خواہشمند ہے۔ اگر عورت دوسری عورتوں سے مرد کے میل ملاپ کی مخالفت ہے تو اس لیے ہے کہ وہ معشوقیت اور مطلوبیت کے مقام کو صرف اپنی حد تک منحصر رکھنا چاہتی ہے لیکن مرد کے لیے یہ صورت نہیں ہے اور اس کی سرشت میں یہ خود پسندی پائی نہیں جاتی لہذا اگر وہ اپنی عورت کو دوسرے مردوں کے میل ملاپ سے باز رکھتا ہے تو اس کا سبب وہی محافظتِ نسل ہے۔

عورت کو مال و دولت پر بھی قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ مال و دولت خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے اور اسی لیے جھگڑے اور کشمکش کا سبب بنتا ہے اور انسان اپنی نفس پرستی اور خود خواہی کے سبب دوسروں پر اس کے استفادہ کی راہ روک دیتا ہے لیکن ایک شخص کی جنسی آرزو کی تکمیل دوسروں کے استفادہ کی راہ میں حائل نہیں ہے اور یہاں ذخیرہ اندوزی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ جتنا شہوتوں کے گرداب میں اتر جائے گا، اخلاق، تقویٰ اور عرفان کی فضیلتیں اس سے کم ہوتی جائیں گی۔ غیرت کا احساس اس میں کمزور پڑتا جائے گا۔ لذت پرست افراد کو اس بات سے تکلیف نہیں پہنچتی کہ ان کی بیویاں دوسروں کے تصرف میں آئیں بلکہ وہ اس

سے محفوظ ہوتے ہیں اور ان امور کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ افراد جو اپنی خود خواہیوں اور نفسانی شہوتوں سے جنگ کرتے ہیں، لالچ اور مادہ پرستی ان کے وجود سے ختم ہونے لگتی ہے، وہ صحیح معنوں میں ”انسان“ اور ”انسان دوست“ بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کی خدمت کا جذبہ ان میں جاگ اُٹھتا ہے۔ ایسے افراد زیادہ غیرت مند اور اپنی بیویوں کے بارے میں زیادہ حساس ہوتے ہیں اور دوسروں کی بیویاں بھی ان کے نزدیک قابل احترام ہوتی ہیں۔ ان کا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ قوم کی ہو بیٹیاں دست درازمی کا شکار ہوں بلکہ وہ سب کی سب ان کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کا ایک عجیب جملہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ”ما ذنی غیبور قط“ یعنی ہرگز ایک شریف اور عبور آدمی زنا کا مرتکب نہیں ہوتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایک حاسد انسان زنا نہیں کرتا، بلکہ آپ ارشاد فرماتے ہیں عبور انسان زنا نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ غیرت قوم کی طہارت اور پاکیزگی کے باب میں انسانی شرافت اور حساسیت کا نام ہے۔ ایک غیرت مند انسان جس طرح اپنی ناموس کے دامن کو آلودہ دیکھنا گوارا نہیں کرتا اسی طرح قوم کے ناموس کی آلودگی بھی اسے ناپسند ہے کیونکہ غیرت حسد سے مختلف چیز ہے۔ حسد ایک ذاتی، انفرادی اور باطنی ذریعوں سے وجود میں آنے والی شے ہے لیکن غیرت نوع بشر کے احساس و عاطف کی پیداوار ہے۔

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ”غیرت“۔ ”خود پرستی“ سے وجود پذیر نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ایسا خصوصی احساس ہے جسے قانونِ فطرت نے گھریلو

زندگی کے استزکام کے لیے ایجاد کیا ہے اور یہ زندگی وضعی نہیں بلکہ فطری زندگی سے عبارت ہے۔

لیکن یہ گفتگو کہ کیا پردے سے اسلام کا منشاء مرد کے احساس غیرت کا احترام ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک اسلام کے پیش نظر احساس غیرت کا وہ فلسفہ ہے جس میں نسل کی پاکی کا تحفظ اور عدم اختلاط انساب پایا جاتا ہے لیکن اسلام میں پردہ کا سبب صرف یہی ایک موضوع نہیں ہے۔ ہم آگے چل کر اسلام میں پردہ کا فلسفہ کے عنوان سے اس موضوع پر ایک سیر حاصل گفتگو کریں گے اور وضاحت سے روشنی ڈالیں گے۔

عورت کے مخصوص ایام

بعض افراد کے نظریے کے مطابق عورتوں کا پردہ اور ان کی خانہ نشینی نفسیاتی پہلو کی حامل ہے۔ عورت ابتدا ہی سے اپنے اندر احساس حقارت کرتی رہی ہے اور اس کے دو جوہات ہیں۔ ایک مرد کی نسبت اس کے عضوی نقص کا احساس اور دوسرے وہ خون جو ماہواری وضع حل یا ازالہ بکارت کے مواقع پر جاری ہوتا ہے۔

ماہواری کو ایک طرح کی ناپاکی اور نقص سمجھنے کی بات نوع بشر میں بہت پہلے سے موجود رہی ہے اور اسی لیے عورتیں اپنے ان مخصوص ایام میں ایک پلید اور ناپاک شے کی طرح کسی کونے میں محسوس رہی ہیں اور ان سے دوری اور پرہیز کیا جاتا رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں سوال

کیا گیا لیکن جو اہمیت اس کے جواب میں نازل ہوئی وہ یہ نہیں تھی کہ حیض پلیدی ہے اور حائض عورت پلید و ناپاک ہے اور اس سے معاشرت نہ کی جائے بلکہ جواب آیا کہ یہ ایک طرح کی جسمانی بیماری ہے اور اس بیماری کے دوران اس سے (معاشرت نہیں بلکہ) مباشرت نہ کی جائے۔

”یسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا

النساء فی المحیض“ (سورۃ بقرہ- آیت ۲۲۲)

یعنی ”اے رسول! تم سے حیض کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، کہو کہ یہ ایک طرح کی بیماری ہے اور اس بیماری کے دوران عورتوں سے قربت حاصل نہ کرو“

اے ’ہو اذی‘ یعنی وہ ایک مضر چیز ہے۔ درحقیقت جبلا یا م حیض میں عورتوں سے مباشرت کی مانعت کا فلسفہ بیان کرتا ہے چونکہ اس حالت میں عورتوں سے مباشرت بذات خود کراہت کا پہلو رکھتی ہے اور اس سے کئی ایک بیماریوں کے پیدا ہونے کا قوی احتمال ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید موجودہ طبی تحقیقات سے بھی ہوتی ہے۔ ان بیماریوں میں سے چند ایک یہ ہیں: مرد و زن کے تناسل سے ماری ہو جانے کا امکان۔ آٹنک اور سوزاک کے جراثیم کی افزائش۔ عورت کے اندام نہانی میں حرارت کا غیر ضروری اضافہ۔ مرد کے عضو تناسل میں خون حیض کے ساتھ ہلکے جراثیم کا داخل ہو جانا اور ایسی ہی دیگر کیفیات کہ جن کا تذکرہ طبی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء عام طور پر حائض عورتوں کے ساتھ مباشرت کرنے سے منع کرتے ہیں چونکہ عورت کے رحم میں بعض رطوبتیں جم جاتی ہیں اور اسی طرح اس کے بیضہ دان میں بھی کچھ مادے جمع ہوتے ہیں خون حیض کا اجرا انہی جمی ہوئی رطوبتوں کے اخراج کے لیے ہوتا ہے۔

قرآن نے اس کیفیت کو دوسری بیماریوں کی طرح صرف ایک بیماری کہا ہے اور اس سے ہر طرح کی پلیدی اور ناپاکی کو سلب کر لیا ہے۔

سنن ابوداؤد جلد اول صفحہ ۴۹۹ میں اس آیت کی شان نزول یہ بیان

کی گئی ہے کہ :

”انس بن مالک نے کہا ہے کہ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی عورتوں کو دورانِ حیض گھر سے باہر نکال دیا کرتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیتے تھے۔ لہذا اس بارے میں رسول خدا سے سوال کیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان سے دوری اختیار کرنے سے منع فرمایا اور کہا کہ ان سے ہمبستری کے سوا اور کوئی ممنوعیت نہیں ہے“

اسلام کے نقطہ نظر سے حائض عورت فقہی اصطلاح میں ایک ”محدث“ کا حکم رکھتی ہے۔ یعنی وہ انسان جو فاقد غسل و وضو ہو اور اس حال میں اس پر نماز اور روزہ حرام ہو۔

حدیث ایک ایسی ناپاکی ہے جو ”طہارت“ یعنی وضو یا غسل سے دور ہو جاتی ہے اس اعتبار سے ہم حیض کو بھی جنابت، احتلام اور پیشاب کی طرح پلید سمجھ سکتے ہیں لیکن اس طرح کی پلیدی یا ناپاکی اولاً تو صرف عورت سے مخصوص نہیں ہے اور ثانیاً یہ کہ وہ غسل اور وضو سے دور ہو جاتی ہے۔

زررہشتیوں اور یہودیوں میں حائض عورت کیساتھ ایک ایسی ناپاک اور پلید شے کی طرح کا سلوک کیا جاتا تھا کہ جو انتہائی قابلِ نفرت ہو۔

اس طرز عمل نے عورت اور مرد دونوں میں اس احساس کو پیدا کیا کہ عورت ایک پست اور ناپاک ذات ہے۔ خاص طور پر عورت اس حالت میں اپنے

اندر احساس شرم و نقص کرتی اور لوگوں کی نظروں سے اپنے آپ کو چھپائے رکھتی تھی۔

ہم پہلے ”ویل دوراں“ کی بات نقل کر چکے ہیں کہ اس نے کہا: ”داریوش کے بعد عورت کا مقام خاص طور پر سرمایہ دار طبقے میں پست ہو گیا۔ معاشی طور پر بد حال عورتوں کو چونکہ کام کاج کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان آنا پڑتا تھا اس لیے ان کی آزادی برقرار رہی لیکن دوسری عورتوں پر چونکہ اپنے مینے کے خاص دنوں میں گوشہ نشینی واجب قرار پائی تھی لہذا آہستہ آہستہ گوشہ نشینی کے اس وقفہ نے ان کے لیے دست اختیار کی اور ان کی پوری اجتماعی زندگی اس کی پیٹ میں آگئی“ وہ یہ بھی کہتا ہے:

”سب سے پہلے عورت کو شرم دھیا کا اس وقت احساس ہوا جب اسے یہ بات معلوم ہوئی کہ حالت حیض میں مرد کے ساتھ اس کی یکجائی ممنوع ہے“

عورت کے اپنے اندر احساس نقص اور اس کی پستی اور پلیدی کے موضوع پر بہت کچھ کہا گیا ہے، یہ باتیں خواہ درست ہوں یا نادرست، عورت اور پردے کے بارے میں اسلامی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام نے نہ حیض کو عورت کی پستی اور حقارت کا سبب جانا ہے اور نہ ہی پردہ کو اس پستی اور حقارت کے لیے عنوان قرار دیا ہے بلکہ اس کے نزدیک کچھ اور امور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔“

قدر و قیمت میں اضافہ کا عمل

پہلے جن اسباب کا ہم ذکر کر چکے ہیں پردے کے مخالفین نے کم و بیش اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے نظریے کے مطابق اس میں ایک بنیادی سبب کار فرما ہے جس پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں پردے کی ظہور پذیری کے اجتماعی پہلو کو ہمیں ریاضت سے رغبت، عورت کے استحصال، حسادت مرد، اجتماعی عدم تحفظ یا عورت کی ناپاکی میں تلاش نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس امر کو عورت کے اس دلپذیر انداز میں ڈھونڈنا چاہیے جو خداوند عالم نے اسے ایک خصوصیت کے طور پر دے رکھا ہے۔

یہ تمام تر بحث عورت کی حیا، عفاف اور اس کے عینی اخلاق کے بارے میں ہے اور اس میں عورت کی اپنے آپ کو مرد سے چھپانے کی خواہش کا مسئلہ زیر گفتگو ہے۔ اس مرحلے پر کچھ نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ یہ نظر ہے کہ شرم و حیا اور پردہ وہ تدبیر ہے جسے عورت نے خود مرد کے آگے اپنی قدر و قیمت بڑھانے اور اپنی شخصیت کے تحفظ کے لیے اختیار کیا ہے۔ اس نے اپنی فطری ہوشمندی اور ایک مخصوص خدا داد احساس سے یہ جان لیا ہے کہ وہ جسمانی اعتبار سے مرد کے ہم پار نہیں ہو سکتی، اس کے مقابل میں نہیں آ سکتی لیکن اس کے ساتھ ہی اسے مرد کی اس کمزوری (یعنی عورت کی چاہت) کا بھی علم ہو گیا ہے جسے قدرت نے مرد کے وجود میں سمور رکھا ہے، اس نے مرد کو عشق و طلب اور عورت کو مشوقیت اور مطلوبیت کا مظہر قرار دیا ہے۔ مرد فطرتاً رغبت کرنے والا خلق ہوا ہے۔

بقول ویل دوراں :

”آداب تزویج‘ مردوں میں حصولِ نصرت کے لیے اقدام اور عورتوں میں ولہری اور دلربائی کے لیے سپردگی سے عبارت ہے۔ مرد فطرتاً جنگجو اور شکاری جالوز ہے۔ اس کا عمل سعی و جہد ہے۔ عورت مرد کے لیے ایک انعامی جنس ہے جس کو اسے حاصل کرنا ہے۔“

جب عورت کو مرد کے مقابل اپنی ہستی کا علم ہوا اور مرد کی کمزوری اس کے ہاتھ لگی تو اس نے مرد کو اپنی گرفت میں لینے کے لیے جس طرح اپنے آپ کو بناؤ سنگھارا اور زینت سے آراستہ کیا، اسی طرح خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش بھی کی۔ اس نے سمجھ لیا کہ اسے اپنی قدر و قیمت کا تحفظ کرنا چاہیے اور مرد کے عشق و طلب کی آگ کو تیز تر کر کے اپنے مقام و منزلت کو بلند کرنا چاہیے۔

ویل دوراں کہتا ہے :

”جیسا فطری نہیں بلکہ یہ ایک ارادی عمل ہے۔ عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ ہاتھ بڑھانا اور دل لگی کرنا رسوائی کا موجب ہے۔ چنانچہ یہی بات وہ اپنی بیٹیوں کے ذہن نشین کراتی رہی ہیں۔“

ویل دوراں مزید کہتا ہے :

اظہارِ محبت و انبساط سے اپنے آپ کو روکنا اور عطا و بخشش میں امساکِ مردوں کو شکار کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر انسان کے پوشیدہ اعضاء کی منظر عام پر نمائش کی جائے تو ہماری توجہ تو اس طرف مرکوز ہوگی لیکن اس کی سمت طبیعت بہت کم راغب ہوگی یا کوئی اس کا قصد کرے گا۔ نوجوان آدمی باجیا آنکھوں کے درپے ہے اور اچھلنے میں یہ محسوس کرتا ہے

کہ یہ حسین پر وہ باری بھی دلربائی کا ایک انداز ہے۔“

زین للناس حق آراستہ است
 زانچہ حق آراستہ چون تا تندرست
 چون پی یسکن ایہاش آفسید
 کی تواند آدم از حوا برید
 رستم زال اربود وز حمزہ بیش
 ہست در فرماں اسیر زال خویش
 آنکہ عالم مست گفارش بُدی
 کلینی یا حمیرا می زدی

ہمارے نازک خیال اور دور کی نگاہ رکھنے والے مشنوی کے خالق مولانا روم
 سے اس سلسلے میں ایک بہت اچھی مثال پیش کی ہے۔ وہ پہلے تو مرد پر عورت کے
 معنوی غلبہ کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کے بعد عورت کی محبوبیت، اس کے مقام
 کی بلندی اور مرد کے عشق و سوز میں پردے کی تاثیر پر ایک نہایت لطیف مثال
 لاتے ہیں۔ وہ مرد و زن کو آب و آتش سے تشبیہ دیتے ہیں اور مرد کے لیے پانی
 اور عورت کے لیے آگ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اس پانی اور آگ کے
 درمیان سے رکاوٹ ہٹا دی جائے تو پانی آگ پر غلبہ پا کر اسے بھگا دیگا لیکن اگر
 ان دونوں کے درمیان کوئی رکاوٹ قائم رکھی جائے مثلاً پانی کو ایک دیگ
 میں ڈال کر آگ اس کے نیچے روشن کی جائے تو اس وقت آگ پانی پر اپنا اثر
 ڈالے گی اور آہستہ آہستہ گرم کر کے اسے جوش میں لائے گی، یہاں تک کہ سارے
 کا سارا پانی بھاپ میں تبدیل ہو جائے گا۔
 مولانا روم پھر کہتے ہیں:

آب غالب شد بر آتش از لیب ز آتش او جو شد چو باشد در "حجیب"
 چونکہ دیگی حالت آمد آں دورا نیست کرد آں آب را گردش ہوا
 ابتدا میں پیدا ہونے والے تصور کے خلاف مرد اپنے دل کی گمراہیوں میں
 عورت کی ہرجائیت اور زود آمیزی کے عمل کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اس نے
 ہمیشہ اپنی نسبت عورت کے استغناء اور بے اعتنائی کو سراہا ہے۔

ابن العقیف کہتا ہے:

تبدی الغفار دللا وہی آنسہ یا حسن معنی الرضا فی صورتۃ الغضب

نظا می کہتا ہے:

چہ خوش ناز نیست ناز خوبویاں ز دیدہ رازدہ را از دیدہ جویاں
 مجموعی طور پر ایک طرف کی نارسائی و فراق اور دوسری سمت سے عشق و بڑ
 اور کم آمیزی کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ بالکل ایسا ہی رابطہ جیسے عشق و سوز اور
 خوبصورتی و فن کے درمیان ہے۔ گویا عشق دوریوں اور نارسائیوں کے دامن
 میں پھلتا پھولتا ہے اور فن و زیبائی، عشق کی گود میں پرورش پاتے ہیں۔

برٹینڈرسل کہتا ہے:

"یہ بات قابل افسوس ہے کہ عورت آسانی سے حاصل ہو جائے
 زیادہ بہتر یہ ہے کہ عورتوں کے وصال میں دشواری حاصل ہو،
 تاہم یہ دشواری غیر ممکن صورت اختیار نہ کرے"

وہ یہ بھی کہتا ہے:

"جہاں اخلاقیات پوری طرح آزاد ہوں وہ شاعرانہ عشق سے
 متمسک انسان نشا و نادر ہی اپنے بلند پایہ تخیلات سے متوسل
 ہونا چاہتا ہے کیونکہ اس کی ذات ہمیشہ اپنی بے پناہ کشش

کی بنا پر کامیابیوں سے ہمکنار رہتی ہے“
 وہیں دوران فلسفے کی لذتوں کے باب میں کہتا ہے:
 ”جو چیز ہم تلاش کریں اور ہمیں نہ ملے وہ ہمارے لیے زیادہ
 پیاری اور قیمتی ہو جاتی ہے۔ خوبصورتی کا تعلق شدت رغبت
 سے ہے اور رغبت، قناعت و رضایت سے کم اور ممانعت
 و رکاوٹ سے بڑھ جاتی ہے“

سب سے زیادہ تعجب خیز بات الفرڈ ہیچکاک کی ہے جسے عورتوں
 کے ایک مجلہ نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

”میرا خیال ہے کہ عورت بھی ایک فلم کی طرح ولولہ انگیز اور
 ایسی ماہیت کی حامل ہونی چاہیے جس کے کھوج کے لیے مرد
 کو اپنی قوت تخیل صرف کرنی پڑے۔ عورتوں کو ہمیشہ یہی روش
 اختیار کرنی چاہیے یعنی انہیں بہت کم اپنی ماہیت ظاہر
 کرنی چاہیے تاکہ مردوں کو ان کے بارے میں کھوج کے
 لیے زیادہ زحمات کا سامنا کرنا پڑے“

یہی مجلہ اپنے ایک شمارے میں اسی شخص سے کہ جسے وہ فلم سازی
 کے نامے عورتوں کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات کا حامل قرار دیتا
 ہے، اس طرح نقل کرتا ہے:

مشرقی عورتیں چند سال پہلے تک چہرے پر نقاب ڈالنے کے
 سبب خود بخود پرکشش دکھائی دیتی تھیں اور اسی مسئلہ نے
 انہیں ایک زبردست جاذبیت عطا کی تھی لیکن ان ممالک
 کی عورتوں نے مغربی عورتوں کی بلابری میں تبدیلی کو کششیں

جاری رکھ کر اس پردے کو برطرف کیا جو کل تک انکا طرہ امتیاز
 تھا اور اسی کے ساتھ ان کی جنسی جاذبیت بھی مدغم ہو گئی ہے۔
 کہا جاتا ہے ”آرژومندی دوری کی پیداوار ہے۔“ یہ سچ ہے لیکن اس
 کے برعکس ”دوری“ آرژومندی کی پیداوار ہے ”بھی درست اور اپنی جگہ
 مکمل ہے۔

آج یورپ اور امریکا میں جس خلا کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے
 وہ عشق کا خلا ہے۔ یورپی دانشمندیوں کی تحریروں میں یہ نکتہ بہت زیادہ
 مطالعہ میں آتا ہے کہ آج کے دور میں عورتوں اور مردوں کی بے جا آزادی
 اور آوارگی کی سب سے پہلی بھینٹ عشق، ولولہ اور پھر پورچ ہتوں کی
 جلوہ گری ہے۔ آج دنیا میں ایسی مجنوں اور شیریں فریاد جیسی مشرقی نوعیت
 کی چاہتوں کو فروغ حاصل نہیں۔

میں ایسی مجنوں اور شیریں فریاد کے افسانوں کے تاریخی پہلو پر تکیہ نہیں
 کرنا چاہتا لیکن یہ افسانے ان حقائق کی منہ بولتی تصویریں ہیں جو مشرقی قوموں
 میں پائی جاتی ہیں۔

ان داستانوں سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ عورت مرد کی دسترس
 سے اپنے آپ کو دور رکھنے کے سبب کس منزلت تک پہنچی ہے اور کس حد تک
 اس نے مرد کے سرنیا ز کو اپنے سامنے جھکا رکھا ہے۔ یقیناً اس حقیقت
 کا ادراک عورت کے لباس اور اس کے پردے کے باب میں بہت موثر رہا ہے۔

اسلام میں پردے کا فلسفہ

پردے کے سلسلے میں پہلے بیان کیے جانے والے فلسفے میں بیشتر وہ توجیہیں تھیں جنہیں پردے کے مخالفین نے خود گھڑ لیا تھا، انہوں نے چاہا کہ وہ اس مسئلہ کو خواہ وہ پردے کی اسلامی صورت ہی کیوں نہ ہو، غیر منطقی اور نامعقول امر کے طور پر پیش کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ کو آغاز ہی سے غیر ضروری سمجھے تو اس کی توجیہ بھی اس کے بیکار ہونے پر مبنی ہوگی۔ اگر یہ بحث کرنے والے اس مسئلہ کو غیر جانبدارانہ طریقے سے جانچتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اسلامی پردے کے فلسفہ کو ان کی کسی مہمل اور بے بنیاد گفتگو سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ہم اسلام کے نقطہ نظر سے پردے کے لیے ایک خاص فلسفہ کے قائل ہیں جو از روئے عقل قابل قبول ہے اور تجزیہ و تحلیل کے اعتبار سے ہم اسے اسلام میں پردے کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔

پردے کے لغوی معنی

قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں استنباط کریں اس نکتہ کی طرف توجہ دینا ضروری ہے کہ پردہ جسے لغت عرب میں حجاب کہا جاتا ہے، لغوی اعتبار سے کس مفہوم کا حامل ہے؟ لفظ حجاب پہناؤ اور پردہ دونوں مفہوم میں آیا ہے لیکن بیشتر پردے ہی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو پہناؤ کے مفہوم میں اس لیے لیا گیا ہے کہ پردہ پہناؤ کے ذریعہ ہے اور شاید ہم یہ کہہ سکیں کہ اصل لغت کے اعتبار سے ہر پہناؤ احجاب نہیں بلکہ صرف وہی پہناؤ احجاب ہوگا جو چہرے کو ڈھانپ دے حضرت سلیمان کے واقعے میں قرآن مجید یوں توصیف کرتا ہے

حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِأَحْجَابٍ

(سورہ ص - آیت ۳۲)

یعنی یہاں تک کہ سورج پس پردہ چھپ گیا۔ قلب و شکم کے درمیان واقع ہونے والے پردے کو بھی حجاب کہا جاتا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے مالک اشتر کو جو دستور العمل دیا ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: فلا تظولن احجابك عن رعیتك یعنی زیادہ تر لوگوں کے درمیان رہو اور گھر بیٹھ کر اپنے آپ کو ان سے پوشیدہ نہ رکھو۔ دیکھو حاجب اور دربان تمہیں لوگوں سے جدا نہ کرے بلکہ تم خود ان کے درمیان جاؤ اور ان سے رابطہ رکھو تاکہ کمزور اور لاچار افراد اپنی ضرورتوں اور شکایتوں کو تم سے بیان کر سکیں اور تم ان سے بے خبر نہ رہو۔

ابن خلدون کے مقدمہ ”فصل فی الحجاب کیف یقع فی الدول
وانہ یعظم عند الہدھ“ کے عنوان سے ایک باب قائم ہے۔ اس
باب میں وہ بیان کرتا ہے کہ حکومتیں اپنی تشکیل کے ابتدائی زمانے میں اپنے
اور عوام کے درمیان کوئی حجاب یا فاصلہ نہیں رکھتیں لیکن آہستہ آہستہ حکمران
اور عوام کے درمیان ایک وسیع پردہ حائل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں
ناگوار صورت حال رونما ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے اس عبارت میں لفظ حجاب
کو پہناوا نہیں بلکہ پردہ کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

عورت کے پردے کے بارے میں لفظ حجاب کا استعمال تقریباً ایک نئی
اصطلاح ہے۔ ازمنہ قدیم اور خاص کر اصطلاح فقہاء میں لفظ ”ستر“
پردے کے معنی میں آیا ہے۔ کتاب الصلوٰۃ ہو یا کتاب النکاح، فقہانے ہر جگہ
پہناوے کے مفہوم میں لفظ حجاب کو نہیں بلکہ ستر کو استعمال کیا ہے۔

بہتر تو یہ تھا کہ لفظ ستر کو لفظ حجاب سے بدلاتہ جاتا اور ہم اسے ستر ہی
کہتے اس لیے کہ لفظ حجاب کا استعمال عام طور پر پردے کے مفہوم میں ہوتا ہے
اور اگر اسے ستر کے مفہوم میں لایا جائے تو وہ عورت کے پس پردہ ہونے کی
نشاندہی کرتا ہے اور یہی امر اس بات کا سبب ہوا کہ بیشتر افراد یہ گمان کریں
کہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ عورتیں پس پردہ اور گھروں میں مقید رہیں اور باہر
نہ نکلیں۔ اسلام نے عورتوں کے لیے جو پردہ واجب قرار دیا ہے اس سے مراد
یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ اسلام عورتوں کو گھروں میں بند کرنے
اور قید ہی بنانے کا حامی نہیں ہے۔ عورتوں کو سختی کے ساتھ گھروں میں بند
کرنے کی جو رسم قدیم ہند اور ایران میں پائی جاتی تھی، اسلام میں قطعاً اس
کا وجود نہیں ہے۔

اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ رہن سہن میں اپنے بدن کو ڈھانپے اور نمائش نہ کرے۔ اس سے متعلق قرآن مجید کی آیتیں بھی اسی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ فقہاء کے فتوے بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ ہم آگے چل کر اس پردے کے حدود کو قرآن و سنت کے منابع سے پیش کریں گے۔ پردے سے متعلق آیات میں لفظ حجاب کا استعمال عمل میں نہیں آیا۔ وہ سورۃ نور ہو یا سورۃ احزاب، اس بارے میں جہاں کہیں جو آیت بھی آئی ہے، اس میں لفظ حجاب کو استعمال کیے بغیر زن و مرد کے روابط اور پردے کے حدود کا تذکرہ ہے۔ وہ آیت جس میں لفظ حجاب استعمال ہوا ہے اس کا تعلق پیغمبر اسلام کی ازواج سے ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ازواج رسولؐ کے بارے میں خاص احکامات وارد ہوئے ہیں۔ پہلی آیت جو اس سلسلے میں نازل ہوئی اس کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لَسْتَنْ كَاٰحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ (سورۃ احزاب - آیت ۳۲)

یعنی اے رسولؐ کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اسلام کی یہ خصوصی عنایت ہے کہ اس نے ازواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی حیات میں یا بعد ممات اپنے گھروں میں رہنے کی تاکید کی ہے اور اس میں اجتماعی اور سیاسی مقاصد کا دخل رہا ہے۔ قرآن مجید واضح طور پر حکم دیتا ہے: وَقَدْ نَفِيَ بِيُودِيَّتِكُنَّ (سورۃ احزاب - آیت ۳۳) یعنی اے ازواج رسولؐ تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔ اسلام نے یہ چاہا کہ ”اہمات مومنین“ جو بہ طور مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام ہیں وہ اپنے احترام کو غلط انداز میں استعمال نہ کریں اور بھولے سے بھی سیاسی اور اجتماعی مسائل میں خود غرض اور

فتنہ پر درعناصر کی آلہ کار نہ بنیں۔ جیسے کہ یہ بات ہم پر واضح ہے کہ اہمات المؤمنین میں سے ایک ام المؤمنین نے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے ناگوار سیاسی فتنوں کو عالم اسلام میں راہ دی۔ اگرچہ بعد میں خود انہیں بھی اس بات کا افسوس ہوا اور کہا کرتی تھیں: مجھے یہ گوارا تھا کہ پیغمبر خدا سے میری اولادیں ہوتیں اور وہ تلف ہو جائیں مگر کاش کہ میں اس فتنے میں شریک نہ ہوتی۔

آپ کے بعد آپ کی ازدواج کی کسی اور سے تزویج کی ممانعت کا سبب میرے پیش نظر یہی ہے کہ کوئی دوسرا شوہر اپنی زوجہ کی شہرت اور اس کے احترام سے یقیناً نا جائز فائدہ اٹھاتا اور نئے حادثے رونما ہوتے، اس بنا پر اگر کہیں ازدواج رسول کے بارے میں اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید حکم پایا جائے تو اس کا سبب یہی ہے۔

بہر حال وہ آیت جس میں لفظ ”حجاب“ آیا ہے سورہ احزاب کی آیت ۵۳ ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے: ”وَإِذَا سَأَلَكَ عَمَلُ نِسَاءٍ مِّنْ بَنَاتِ النَّبِيِّ سَأَلَ لِي بَعْضُهُنَّ مَتَاعًا فَا تَنصَرُ فَكَرِهَتْ لِمَا سَأَلَهُنَّ مِنْ ذَوَاتِهِنَّ بِحِجَابٍ“ یعنی جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پرودہ کے باہر سے مانگا کرو۔

تاریخ و حدیث کی اصطلاح میں جہاں کہیں بھی آیہ حجاب کا تذکرہ ہوا ہے مثلاً یہ کہا گیا ہے: آیہ حجاب کے نزول سے قبل ایسا تھا یا آیہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد ایسا ہوا تو اس سے یہی آیت مراد ہے جو ازدواج رسول سے متعلق ہے، نہ کہ سورہ نور کی آیات جن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُضُوْنَ اَبْصَارَهُمْ.....

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ.....

(سورۃ نور- آیات ۳۰-۳۱)

یاسورۃ احزاب کی آیت جہاں ارشاد ہوتا ہے: **يُدْنِينَ عَلْيَهُنَّ**

مِنْ جَلَابِئِبِهِنَّ..... (سورۃ احزاب- آیت ۵۹)

لیکن مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ فقہاء کے درمیان رائج اصطلاح ستر اور طبوس کی بجائے لفظ حجاب، پردہ اور پردہ داری کیونکر آنے لگا ہے۔ شاید یہ بات اس وجہ سے پیش آئی ہو کہ اسلامی پردے کو دوسری اقوام کے پردوں پر قیاس کیا گیا۔ ہم اس موضوع پر آگے چل کر زیادہ وضاحت سے گفتگو کریں گے۔

پردہ کی اصل صورت

حقیقت امر یہ ہے کہ ستر یا دور حاضر کی اصطلاح میں پردہ کے مسئلہ میں بات یہ نہیں ہے کہ عورت ستر کے ساتھ بھرے مجمع میں آئے یا نہ لائے؟ بلکہ مقصود یہ ہے کہ کیا مرد کی عورت سے لذت گیری اور اسکی خواہشات کی تکمیل بلا عورت اور عام سونے چاہیے؟ کیا مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر عورت سے ہر محفل میں باستانے زنا زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرے؟

اسلام کہ جس کی نظر مسائل کی اہمیت پر ہے، جواب دیتا ہے: نہیں مرد صرف گھریلو ماحول اور مضبوط عہد و پیمان کے ساتھ ازدواجی قانون کے دائرہ میں عورت کو بیوی کی حیثیت سے اپنے تصرف میں لا سکتا ہے لیکن عام اجتماعات میں کسی نامحرم عورت سے استفادہ قطعاً ممنوع ہے۔ نیز عورت کے لیے بھی یہی پابندی ہے۔

یہ درست ہے کہ مسئلہ کی ظاہری صورت یہ ہے کہ عورت کیا کرے؟ وہ

ستر کے ساتھ باہر آئے یا عریاں؟ یعنی جو چیز عنوان مسئلہ قرار پاتی ہے وہ عورت ہے اور کبھی کبھی اس مسئلہ کو بڑے ہمدردانہ انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ کیا محکومیت، ایری اور پردہ نشینی سے بہتر نہیں ہے کہ عورت آزاد فضا میں سانس لے؟ لیکن باطن میں کچھ اور بات ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد کو عورت سے زنا کے علاوہ جنسی استفادہ میں مطلق آزادی ہونی چاہیے یعنی اس مسئلہ میں جو فائدہ مرد کو پہنچ رہا ہے وہ عورت کو نہیں۔ بقول ویل و درال:

”اوپنچے دامن کے کرتے سوائے درزیوں کے تمام دنیا کے لیے ایک نعمت ہیں۔“

پس اصل مسئلہ جنسی خواہش کو شرعی بیویوں اور گھر ملیو زندگی تک محدود رکھنے یا جنسی لذت کے حصول کو پورے معاشرے کی حد تک بے قید اور وسیع کر دینے کا ہے۔ تاہم اسلام اس پہلی روش کا حامی ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے گھر بسانے اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے عمل میں جنسی لذت کے حصول کی محدودیت باعتبار نفسیات ایک صاف ستھرے ماحول کو پیش کرتی ہے، باعتبار فاندان خاندان کے افراد کے تعلقات میں استحکام اور میاں بیوی میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرتی ہے، باعتبار اجتماع لوگوں کی کارکردگی کی اہلیت اور توانائی کا تحفظ کرتی ہے اور مرد کے مقابل عورت کی حیثیت اور اس منزلت کو بڑھاتی ہے۔

اسلامی پردے کا فلسفہ ہماری نظر میں چند نکات میں منحصر ہے جن میں سے کچھ نفسیاتی پہلو کے حامل ہیں، کچھ گھر اور کنبہ سے متعلق ہیں، کچھ اجتماعی امور سے وابستہ ہیں اور کچھ عورت کی سربلندی اور احترام میں اضافہ سے مربوط ہیں۔ اسلام میں پردے کا مسئلہ مکمل اور محکم اصولوں پر استوار ہے۔ اسلام چاہتا

ہے کہ تمام جنسی لذتیں خواہ ان کا تعلق دیکھنے سے ہو یا چھونے سے سب
 ٹھہر بلو ماحول اور ازدواجی قانون کے دائرہ میں منحصر رہیں اور بیرونی تضامرف
 کام کاج کے لیے ہو۔ عصر حاضر میں اس مغربی اسلوب کے برخلاف کہ جہاں
 کام کاج کو شہوت رانی سے ملا دیا گیا ہے، اسلام چاہتا ہے کہ ان دونوں فضائل
 کو ایک دوسری سے جدا رکھا جائے۔

اب ہم اوپر بیان کیے ہوئے چار امور کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ سکون نفس

مرد و زن کے درمیان پردہ کا نہ ہونا اور ان کی بے لگام آزادی نفسانی
 خواہشات و ہیجانات میں اصراف کا باعث ہوتی ہے اور سیکس کے تقاضے
 کو ایک نفسانی پیاس اور کبھی پوری نہ ہونے والی تمنا کی صورت بخشتی ہے۔
 خواہشات نفس، طاقتور، عیبی اور ”سمندر صفت“ غریزہ ہیں کہ جن کی
 جتنی فرمانبرداری کی جائے اتنی ہی سرکش ہو جاتی ہیں، بالکل آگ کی طرح کہ اسے
 جتنی خوراک دی جائے اس کا متعلقہ اتنا ہی بلند ہوتا جائے گا۔ اس بات کو
 سمجھنے کے لیے ہمیں دو چیزوں پر توجہ رکھنی چاہیے:

۱۔ تاریخ جس طرح دولت کے پجاریوں کا تذکرہ کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے
 کہ وہ کس طرح حرص و آرز کے ساتھ مال و دولت سمیٹنے کے درپے تھے، وہ
 جتنا مال جمع کرتے تھے ان کی حرص میں اتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔
 اسی طرح جنسی مسائل میں حرص افراد بھی اس کے موضوع گفتگو سے
 خارج نہیں ہیں۔ اس قسم کے افراد بھی مجببوں کے تصرف و تملک میں
 کسی ایک حد پر آکر نہیں رکتے اور حرم سراؤں کے مالکوں بلکہ ہر صاحب

استطاعت شخص کا یہی وطیرہ رہا ہے۔

”ایران ساسانیوں کے دور میں“ نامی کتاب کے مصنف ”کرٹن سن“

اپنی کتاب کے نزیں باب میں لکھتے ہیں:

”خسر و پرویز کے حرم میں تین ہزار پری زادیوں کی موجودگی

کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس شہر یار کو سیری نہیں ہوتی تھی۔

بیوہ عورتیں، صاحب اولاد خواتین اور حسین دوشیزائیں

جہاں کہیں بھی اسے دکھانی دے جاتیں وہ انہیں اپنے حرم

میں شامل کر لیتا اور جب اس کا دل ان سے بھر جاتا تو وہ اپنے

گورنروں کو اپنی پسند کی عورت کے حصول کے لیے فرمائش

کرتا، چنانچہ جب انہیں ویسی عورت مل جاتی تو وہ اسے بادشاہ

کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے۔“

اس طرح کے واقعات ہمیں قدیم تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔ دورِ حاضر

میں ان حرم سراؤں کی صورت بدل گئی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اب یہ ضروری

نہیں ہے کہ کوئی خسر و پرویز اور ہارون الرشید جیسے اختیارات کا حامل ہو۔ اس

دور میں فرنگی تہذیب کی برکت سے خسر و پرویز اور ہارون الرشید کے اختیارات

کا لاکھواں حصہ رکھنے والا شخص بھی عورتوں سے انہی کے برابر خوشنودی حاصل

کر سکتا ہے۔

۲۔ کبھی آپ نے سوچا ہے کہ انسان میں حسن ”تغزل“ کیسی حس ہے عالمی

ادبیات کا ایک حصہ عشق و غزل سے عبارت ہے۔ ادبیات کے

اس حصہ میں مرد اپنے محبوب و معشوق کی مدح سرائی کرتا ہے۔

اس کے آگے سر نیا زخم کرتا ہے، اسے بڑا اور خود کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو اس کی معمولی سی عنایت کا نیاز مند قرار دیتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا معشوق سیکڑوں بستقیوں کو اپنی اک نگاہ ناز سے خرید سکتا ہے۔ پس کیا سبب ہے کہ مرد عجیب و نیاز کرتا ہے اور اس کے فراق میں دردمندانہ انداز سے فریاد کرتا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے۔ آخر کیوں انسان اپنی تمام ضرورتوں کے بارے میں ایسا نہیں کرتا۔ آج تک کبھی آپ نے ایسا دیکھا ہے کہ ڈالر کا ایک پرستار ڈالر کے لیے اور ایک جاہ پسند اپنے مقام و منصب کے لیے ”غزل سرائی“ کرے؟ کیا اب تک کسی نے روٹی کے لیے غزل سرائی کی ہے، کیوں ہر انسان دوسرے کے اشتہار و غزل کو پسند کرتا ہے؟ ایسا کیوں ہے کہ سب لوگ دیوان حافظ سے مطقت اندوز ہوتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور بھی ہے کہ ہر شخص اسے ایک ایسے عمیق فطری میلان یا غریزہ پر منطبق دیکھتا ہے جو اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا ہے۔ کس قدر غلطی پر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف اقتصاد ہی لوگوں کی بھاگ دوڑ اور فعالیت کا تنہا بنیادی سبب ہے۔

انسان نے جس طرح روحانی امور کے لیے مخصوص موسیقی مرتب کی ہے اسی طرح اپنے جنسی میلانات کے لیے بھی ایک خاص قسم کی موسیقی ترتیب دے رکھی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ روٹی اور پانی جیسی ناگزیر مادی ضروریات کے لیے اس کے پاس کوئی موسیقی نہیں ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام عشقیات کا تعلق جنس سے ہے اور میرا یہ بھی مقصد نہیں ہے کہ حافظ، سعدی اور تمام غزل گو شعراء نے محض جنسی میلان کی زبان سے گفتگو کی ہے۔ ان کی تذکرہ محبت کا انداز کچھ اور ہے، جس پر الگ سے گفتگو کی ضرورت ہے۔

لیکن امر مسلم یہ ہے کہ اکثر اظہارِ عشق اور بیشتر غزلیں وہ ہیں جنہیں مرد نے عورت ہی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا ہی کافی ہے کہ عورت کی جانب مرد کا میلان، رونی اور پانی کی طرف رغبت کی طرح نہیں ہے، کیونکہ جہاں پیٹ بھرنے سے انسان قانع اور مطمئن ہو جاتا ہے، اس کے برعکس عورت کے باب میں یہ توجہِ حرص و ہوس اور تنوعِ پسندی کی صورت اختیار کرتی ہے یا عاشقی و غزلِ سرائی میں بدل جاتی ہے۔ ہم اس پر بعد میں گفتگو کریں گے کہ کن شرائط میں جنسی حرص و ہوس تقویت پاتی ہے اور کن شرائط میں عشق و غزل کی صورت اختیار کرتی ہے اور کب اس حقیقی رنگ غالب آتا ہے۔

بہر حال اسلام نے اس پُرچوش جبلت کی حیرت ناک توانائی پر پوری توجہ دی ہے۔ چنانچہ فتنہ نگاہِ عورت سے خلوت کے خطرے اور اس پر خطر جذبے کے بارے میں کہ جو مرد اور عورت کو باہم ملا دیتا ہے بہت سی روایات موجود ہیں۔ اسلام نے اس فطری جذبے کو قابو میں لانے اور اس میں توازن پیدا کرنے کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نگاہ کرنے اور دیکھنے کی بابت مرد و زن دونوں پر ایک مشترکہ فرض عاید کیا ہے:

”قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ ابْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ...“
 ”قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ بَعْضُنَّ مِنْ ابْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ...“

(سورۃ نور - آیات ۳۰-۳۱)

اس دستور کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے پر نظر نہ کریں۔ آپس میں ہوسناک نگاہوں کا تبادلہ عمل میں نہ لائیں اور لذت اندوزی کے قصد سے آنکھیں چار نہ کریں۔ عورتوں کے لیے ایک خاص فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بدن کو بیگانہ مردوں سے چھپائے رکھیں اور اجتماعات میں جلوہ نمائی

اور دلربائی سے احتراز کریں۔ کسی طرح، کسی صورت اور کسی بھی بہانے سے ایسا عمل بجا نہ لائیں جو غیر مردوں کی توجہ اور تحریک کا باعث ہو۔
 نفسِ انسانی بڑی حد تک اثر پذیر ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اس کی تحریک پذیری ایک خاص حد تک محدود ہے اور اس کے بعد آگے نہیں بڑھتی۔
 بلا تمیز مرد و زن، انسان جس طرح دولت، حصول منصب اور مقام، عزت و وقار سے سیر نہیں ہوتا، اسی طرح جنسی معاملات میں بھی اسے سیر نہیں ہوتی۔ کوئی مرد حسین چہروں کی دیدار کوئی عورت مردوں کو متوجہ کرنے اور ان کے دلوں پر قبضہ جانے کی خواہش سے اور بالآخر کوئی دل ہوس سے سیر نہیں ہوتا۔

پھر یہ لامحدود خواہش کسی صورت میں پوری ہونے والی نہیں۔ وہ ایک طرح کے احساسِ محرومیت سے دوچار رہتی ہے اور آرزوؤں میں ناکامی بجائے خود باطنی نقائص اور نفسیاتی بیماریوں کی آماجگاہ ہے۔
 آخر مغربی دنیا میں نفسیاتی بیماریوں کی اتنی بہتات کیوں ہے؟ اس کا سبب یہی جنسی آزادی اور سیکس کی وہ ترغیبات ہیں جو انہیں اخباروں، رسالوں، سینماؤں، تھیٹروں اور سرکاری وغیر سرکاری تقریبات، یہاں تک کہ سڑکوں اور گلیوں میں بھی ملتی ہیں۔

لیکن اسلام میں خصوصی طور پر عورتوں کے لیے ستر یا پردے کا حکم اس لیے آیا ہے کہ ان میں خود نمائی اور خود آرائی کی خواہش شدت سے پائی جاتی ہے قلب و ذہن پر تصرف کے اعتبار سے مرد شکار ہے اور عورت شکاری۔
 جبکہ جسم و جان پر تصرف کے اعتبار سے عورت شکار ہے اور مرد شکاری۔
 بناؤ سنگھار اور خود آرائی پر عورت کی دائمی توجہ اس کے اسی شکار یا نہ

طرز احساس کا منظر ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی کہ مرد بدن کی جھلک دکھانے والا لباس زیب تن کرے اور ہیجاناں کو برا نگینہ کرنے والے سنگھار سے اپنے آپ کو زینت بنائے۔ یہ عورت کا عمل ہے کہ وہ اپنے فطری میلان کے تحت دلربائی کے انداز اختیار کرے اور مردوں کو اپنی محبت کا اسیر بنائے۔ چونکہ حد سے بڑھا ہوا بناؤ سنگھار اور نیم برہنگی کی کیفیت، عورت کے انحراف اور کجروی کی علامت ہے۔ اس لیے پرٹے کا حکم بھی اسی کے لیے صادر ہوا ہے۔

جنسی جبلت کی طوفان خیزیوں اور برٹریڈرسل جیسے افراد کے دعووں کے برعکس یہ بات کہ جنسی جذبہ کو آزاد چھوڑ دینے اور جذبات کو ابھارنے کے وسائل کی فراہمی سے یہ جذبہ ہرگز سیر نہیں ہوتا۔ نیز مردوں کی نظر بازی اور عورتوں میں بناؤ سنگھار کے میلان کے بارے میں ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

۲۔ خاندانی روابط میں استحکام

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہر چیز جو خاندانی روابط میں استحکام کا باعث ہو، میاں بیوی کے درمیان خلوص پیدا کرے اور گھریلو ماحول کے لیے مفید ہو۔ اس کو عمل میں لانے کے لیے تمام تر کوششوں کو بروئے کار لایا جانا چاہیے۔ اس کے برعکس ہر وہ چیز جو زوضہ و شوہر کے روابط میں کمزوری اور مرد مہری کا باعث ہو، وہ گھریلو زندگی کے لیے باعثِ ضرر ہے لہذا اسے ناپود کر دینا چاہیے۔

ازدواجی زندگی کے دائرہ اور گھریلو فضا میں جنسی لذت اندوزی کا اختصاص میاں بیوی کے رشتہ کو استحکام بخشتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے

قریب لاتا ہے۔

سٹرپوشی کا فلسفہ اور غیر عورت سے جنسی تعلقات کی ممانعت کا سبب گھریلو ماحول کے نقطہ نظر سے یہ ہے کہ صرف انسان کی قانونی بیوی نفسیات کے اعتبار سے مرد کو خوشنود کرنے کا ذریعہ ہو، جبکہ جنسی آزادی کے ماحول میں نفسیاتی اعتبار سے قانونی بیوی ایک رقیب، رکاوٹ اور مرد پر داروغہ سمجھی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں گھریلو ماحول میں دشمنی اور نفرت کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

آج کل کے نوجوانوں کا مختلف بہانوں کے ذریعے شادی سے انکار کا سبب بھی یہی بات ہے، حالانکہ پچھلے وقتوں میں شادی کا شمار نوجوان نسل کی دلی تمناؤں میں ہوتا تھا اور جب تک تہذیب مغرب نے عورتوں کو ایک بازاری جنس نہیں بنایا تھا نوجوان شب زفاف کو تختِ شاہی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

گزشتہ ایام میں شادی طویل انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد انجام پذیر ہوتی تھی اور اسی لیے میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنے لیے باعث سعادت و نیک بختی سمجھتے تھے لیکن آج ازدواج کے دائرہ سے ہٹ کر جنسی لذت اندوزی کو اتنا فروغ حاصل ہے کہ اب شادی میں کوئی لذت باقی نہیں رہی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کے آزادانہ میل جول نے شادی کو ایک ایسی صورت دے دی ہے کہ اب اسے اخلاقی پسند و نصح یا جیسا کہ بعض اخبارات مشورہ دیتے ہیں، زور اور زبردستی سے نوجوانوں پر مسلط کیا جائے۔

جنسی روابط کو گھریلو ماحول اور قانونی ازدواج کے دائرہ میں محدود کرنے والے معاشرے اور مردوزن کے بے روک ٹوک میل جول کے حامی آزاد خیال معاشرے میں فرق یہ ہے کہ پہلے معاشرے میں شادی کرنے سے انتظار و محرومیت کا اختتام اور دوسرے معاشرے میں محرومیت اور پابندی کا آغاز ہوتا ہے۔ جنسی آزادی کے ماحول میں شادی کا بندھن لڑکے اور لڑکی کی آزادی کے دور کا خاتمہ کر دیتا ہے اور انہیں اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وفادار بن کر رہیں۔ درآنحالیکہ اسلامی معاشرے میں شادی ان کی محرومیت اور انتظار کو ختم کرتی ہے اور ان کے لیے پیغامِ مسرت لاتی ہے۔

آزاد تعلقات کا طریقہ اول تو نوجوان نسل کو جہاں تک ہو سکے شادی اور خانہ آبادی سے روکتا ہے اور انہیں صرف اسی وقت اس اقدام کی طرف راغب کرتا ہے جب جوانی کا ولولہ اور نشاط، ضعف اور سستی میں بدلنے لگتا ہے۔ ایسے موقع پر وہ عورت سے صرف اولاد کے متمنی ہوتے ہیں یا پھر اسے اپنی خدمت اور کام کاج کے لیے چاہتے ہیں۔ یہ طرز عمل ازدواجی بندھن کو کمزور کر دیتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک گھرانہ عمیق محبت اور سچی چاہت کی بنیاد پر وجود میں آئے اور مردوزن یا ہم ایک دوسرے کو اپنی سعادت کا سبب سمجھیں، اس کے برعکس ان میں رقیبانہ انداز فکر پیدا ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کو اپنی سلب آزادی کا سبب سمجھنے لگتے ہیں۔ آجکل کے خاص الفاظ میں وہ ایک دوسرے کو جیلر کہنے لگتے ہیں۔

جب کوئی لڑکا یا لڑکی یہ کہے کہ اس نے شادی کرنی ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس نے اپنے لیے جیلر ڈھونڈ لیا ہے۔ یہ تعبیر کیوں ہوتی؟ اس لیے کہ وہ شادی

سے پہلے آزاد تھی، جہاں چاہے جاسکتی تھی، جس کے ساتھ چاہے قصص کر سکتی تھی اور اسے کوئی کچھ کہنے والا نہیں تھا لیکن شادی کے بعد اب ان آزادیوں پر پابندی لگ گئی ہے۔ اگر ایک رات دیر سے گھر پہنچی تو شوہر باز پرس کرے گا کہ کہاں گئی تھی۔ اسی طرح مرد اگر کسی محفل میں بڑے جوش و خروش سے کسی عورت کے ساتھ محور قصص ہو تو اس کی بیوی اس پر معترض ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں گھربلو رابطہ کس قدر سرد اور ناقابلِ اطمینان ہوگا۔

برٹریڈ رسل جیسے بعض افراد کا خیال ہے کہ آزادیوں پر پابندی کا مقصد فقط مرد کا اپنی نسل کے لیے اطمینانِ قلب کا حصول ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لیے مانعِ حمل ادویات تیار کی گئی ہیں جن کی بدولت عورت نسل پر اختیار رکھتی ہے لیکن یہاں مسئلہ صرف پاکی نسل کا ہی نہیں ہے بلکہ ایک اور مسئلہ زوجین کے درمیان سچے اور پاک جذبات کا وجود اور ان میں مکمل اتحاد و یگانگت کی فضا کا قیام بھی ہے۔ یہ بات اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب زوجین غیروں اور نامحرموں سے پرہیز کریں۔ مرد کسی دوسری عورت پر نظر نہ رکھے اور عورت بھی ہمیشہ شوہر کے علاوہ کسی اور کی توجہات کو اپنی طرف مبذول کرنے کی ٹوہ میں نہ رہے۔ علاوہ ازیں ہر قسم کے جنسی تعلقات سے صرف نظر کیا جائے حتیٰ کہ شادی سے قبل کے مرحلہ میں بھی اس کا خیال رکھا جائے۔

علاوہ اس کے وہ شوہر دار عورت جو اس حد تک ”ترقی یافتہ“ ہو کہ رسل جیسے افراد کی پیروی میں ”جدید جنسی اخلاق“ پر عمل پیرا ہو اور اپنی محبت کا مرکز کسی غیر مرد کو بنائے اور رنگ رلیاں منائی رہے۔ کیا بھروسا ہے کہ وہ مانعِ حمل دواؤں سے اپنے ناپسندیدہ قانونی شوہر سے قرار پانے والے

حاصل کو ضائع نہیں کرے گی اور اس کے بجائے اپنے محبوب کے نطفے سے پیدا ہونے والے نسرزند کو قانونی شوہر سے نسبت نہ دے گی۔ یقیناً ایسی عورت یہی چاہے گی کہ اس کا بچہ اس کے پسندیدہ مرد سے ہو اور اس شخص کی نشانی نہ ہو جو صرف قانونی حیثیت سے اس کا شوہر ہے۔ اسی طرح مرد بھی فطرتاً ایسی عورت سے صاحب اولاد ہونا چاہتا ہے جسے وہ قلب کی گمراہیوں سے چاہتا ہو نہ اس عورت سے جو زورِ قانون سے اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہو۔ یورپ کی دنیا نے عملاً یہ دکھا دیا ہے کہ احتیاطی تدابیر اور حمل نائل کرنے والے وسائل کی بہتات کے باوجود ناجائز بچوں کی تعداد وحشتناک حد تک بڑھ گئی ہے۔

۳۔ مستحکم معاشرہ

جنسی لذائذ کے حصول کو گھر کے باہر سے نکال کر پورے معاشرے کی حد تک وسیع کرنا قوت کا رگزاری میں خلل پیدا کرتا ہے اور اس سے معاشرے کی بنیادیں ہل جاتی ہیں اور یہ بات اس اعتراض کے بالکل عکس ہے، جسے پردہ کے مخالفین پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”پردہ افراد معاشرہ کے تقریباً نصف حصے کی توانائی مفلوج کرتا ہے“ حالانکہ بے پردگی اور آزاد جنسی تعلقات کی ترویج اجتماعی کارکردگی کو مفلوج بناتی ہے۔

عورتوں کی توانائی کو مفلوج بنانا ان کی صلاحیتوں کو پابہ زنجیر کرنا ہے جبکہ اسلام میں پردہ عورت کو مقید کرنے کے مفہوم میں نہیں ہے کہ جس سے وہ علمی، اجتماعی اور اقتصادی کوششوں سے محروم ہو جائے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ عورت گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ ہی وہ اس کو تخصصی علم و دانش سے روکتا ہے بلکہ اس نے تو علم و دانش کو ہر مرد و زن کے لیے مشترک فریضہ قرار دیا ہے۔

اسلام نے عورت کو معاشی جدوجہد سے نہیں روکا، وہ یہ نہیں چاہتا کہ عورت بے کار بیٹھی رہے اور اس کا وجود بٹھ ہو کر رہ جائے۔ چہرے اور ہاتھ کی تفصیلیوں کے علاوہ ستر بدن کسی طرح بھی علمی، اجتماعی یا اقتصادی امور کی راہ نہیں روکتا، جو چیز اجتماعی امور کو ٹھیس پہنچانے والی ہے وہ کاروباری ماحول میں شہوت رانی کا دخل ہے۔

اگر لڑکے لڑکیاں علیحدہ ماحول میں علم حاصل کریں یا بالفرض ایک ساتھ تعلیمی سرگرمیوں میں مصروف ہوں مگر ستر پوشی کا خیال رکھیں اور کسی قسم کا بناؤ سنگھار نہ کریں تو کیا وہ بہتر طور پر تعلیم پر توجہ دے سکتے ہیں یا اس کے عکس رانوں سے بالشت بھرا اونچائی رکھنے والے اسکرٹ کے ساتھ لڑکیاں لڑکوں کے پہلو پہ پہلو بیٹھیں یا ان کی توجہ کہیں اور ہو؟ کیا کوئی فرد سڑکوں، بازاروں، دفاتروں اور کارخانوں وغیرہ میں اس ماحول میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے جبکہ ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے لڑکیوں کے بننے سبب شہوت انگیز چہرے، فحش کٹاوتیں ہوں؟ اگر آپ اس حقیقت کو سمجھنا چاہیں تو ان لوگوں سے پوچھیں جو اس ماحول میں کام کرتے ہیں۔ وہ کمپنیاں یا ادارے جو شدت سے بہتر کارکردگی کے خواہاں ہیں اس طرح کے ماحول سے پرہیز کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے درمیان یہ ذلت آمیز عریانی کہ جہاں ہم نے یورپ اور امریکا کو بھی شرمادیا ہے، یہ مغربی سرمایہ دار اور شہوت پرست اقوام کا تحفہ ہے اور حقیقت میں یہ انسانی معاشروں کو نیم جاں اور ناکارہ بنانے کے لیے ایک خاص طریقہ ہے۔ اس طرح وہ ایک بے جان معاشرے کو اپنا دست نگر بنالینے کے بعد اسے اپنے کارخانوں کی مصنوعات کے استعمال پر مجبور کر دیتے ہیں۔

روزنامہ اطلاعات کے شمارہ ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء میں ایشیائے خورد نوش اور سامانِ تغیش کے استعمال کے بارے میں مرکزی دفترِ شماریات کی شائع کردہ رپورٹ کا ایک حصہ یہ ہے :

صرف ایک سال کے عرصے میں عورتوں کے لیے پاشک غازہ، کریم پوڈر اور آئی شیڈ جیسے سنگھار کے لوازمات پر مشتمل سامان دو لاکھ دس ہزار کیلو کی مقدار میں امپورٹ ہوا ہے۔ اس مقدار میں سے ایک لاکھ اکیاسی ہزار کیلو گرام مختلف قسم کی کریمیں ہیں۔ مزید برآں اس ایک سال کے عرصے میں ۱۶۵۰ بلاؤز، ۲۵۰۰ درجن پوڈر کے ڈبے، ۴۶۰۴ عدد غازہ ٹیوب، بدن کو دہلا کرنے والے صابن کی ۲۲۸۰ ٹیکیاں اور میک اپ کی ۲۲۸۰ شیٹیاں درآمد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اس مقدار میں ۳۱۰۰ عدد آئی شیڈ اور ۲۴۰۰ عدد آئی لائن کو بھی شامل کرنا ہوگا۔“

جی ہاں ایرانی عورت کو جدت، ترقی اور وقت کے ساتھ چلنے کے بہانے ہر روز اور ہر لمحہ سرمایہ دار ممالک کے تیار کردہ سامانِ آرائش کے ساتھ سجا کر اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ یورپی کارخانوں کے لیے ایک قابلِ قدر اور لائقِ صارف کی حیثیت سے دادِ تحسین حاصل کریں۔ اگر ایرانی عورت فقط اپنے قانونی شوہر یا عورتوں کی محافل کے لیے بناؤ سنگھار کرے تو وہ نہ تو مغربی سرمایہ داروں کے لیے ایک لائقِ صارف بن سکتی ہے اور نہ ہی اس دوسرے فریضے کو انجام دے سکتی ہے جو نوجوان نسل کے اخلاقی انحطاط اور اجتماعی کوششوں میں رکاوٹ سے متعلق ہے اور جس سے مغربی

استعمار کا مفاد وابستہ ہے۔

غیر سرمایہ دار معاشرے میں لادینی رجحانات کے باوجود عورت کی آزادی کے نام پر اس طرح کی رسوائی کم ہی نظر آتی ہے۔

۴۔ عورت کا احترام اور اس

کی قدر و منزلت

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مرد جسمانی اہمیت ہمارے یقیناً عورت کے مقابل برتری رکھتا ہے۔ ذہن و فکر کے اعتبار سے بھی مرد کا عورت پر تفوق قابل ذکر ہے، ان دونوں محاذوں پر عورت مرد کے مقابل نہیں آسکتی لیکن عورت نے ہمیشہ شفقت اور رحم دلی میں مرد پر اپنی فضیلت ثابت کی ہے۔ عورت ہی نے زن و مرد کے درمیان پردے کو اپنے تحفظ کے لیے برقرار کیا ہے۔

اسلام نے عورت کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس سلسلے میں پردے سے استفادہ کرے۔ اسلام نے خاص طور پر یہ تاکید کی ہے کہ عورت جس قدر سنجیدہ باوقار اور پاکدامن ہوگی اور اپنے آپ کو مردوں سے چھپائے رکھے گی، اس کے احترام میں اتنا ہی اہنافہ ہوتا چلا جائے گا۔ آگے چل کر سورۂ احزاب کی تفسیر میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن مجید اس تاکید کے بعد کہ عورتیں پردہ اختیار کریں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَّغْوٰنَ فَلَیْکُمْ ذٰیْنٌ (سورۂ احزاب - آیت ۵۹) یعنی یہ عمل اس لیے ہے کہ عورت کو پاکدامن سمجھا جائے اور یہ معلوم ہو کہ وہ اپنے آپ کو اجتماع عام میں پیش نہیں کرتی۔ اس کے نتیجے میں یہودہ اور بد اخلاق افراد اس کے مزاحم نہیں ہوں گے۔

پردے پر اعتراضات اور اشکالات

پردہ اور منطق

سب سے پہلا اعتراض جو پردہ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکی کوئی معقول دلیل نہیں ہے، جو بات مطابق عقل نہ ہو ہمیں اس کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔ پردے کے اسباب میں ان چند باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے :

- ۱۔ تحفظ اور امن و امان کا نہ ہونا
 - ۲۔ رہبانیت اور ترک لذت کا تخنیل
 - ۳۔ مرد کی خود غرضی اور حکمرانی کا جذبہ
 - ۴۔ ایام حیض میں عورت کی نجاست کا نظریہ
- پردے کی نسبت سے یہ تمام تخیلات ایک دم مہمل، باطل، غیر صحتمند اور خرافات پر مشتمل ہیں۔
- پردے کے غیر منطقی اور نامعقول ہونے کا جواب ہماری اس گفتگو

سے واضح ہو گیا جسے ہم پچھلے حصے میں عرض کر چکے ہیں۔ اس حصے کے مباحث سے معلوم ہو گیا ہے کہ پردہ — البتہ اسلامی مفہوم کے اعتبار سے — نفسیاتی، خاندانی، اجتماعی اور یہاں تک کہ عورت کی قدر و منزلت میں اضافے کے پہلو سے بھی ایک معقول منطق کا حامل ہے اور چونکہ ہم نے اس کی تفصیل پچھلے حصہ میں پیش کر دی ہے، لہذا اس حصے میں اس کی تکرار نہیں ہوگی۔

پردہ اور حقیقت آزادی

پردے پر ایک اور اعتراض یہ وارد کیا گیا ہے کہ پردہ نے عورت کا حقیقی آزادی سلب کر لیا ہے جو ہر بشر کا بنیادی حق ہے اور اس سے عورت کی بشری حیثیت کی توہین ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسانی مقام و حیثیت کا احترام اعلان حقوق انسانی کی تقویٰ میں سے ایک شق ہے۔ ہر مذہب و ملت کا انسان، وہ مرد ہو یا عورت، سفید ہو یا سیاہ، صاحب احترام اور آزاد ہے۔ عورت کو پردے کے لیے مجبور کرنا، اس کے حقیقی آزادی سے انکار اور اس کی انسانی حیثیت کی توہین و تدلیل ہے، دوسرے لفظوں میں یہ عورت پر سراسر ظلم ہے۔ انسانی عزت و کرامت اور عورت کی آزادی کا استحفاظ نیز عقل و شرع کا یہ حکم کہ کوئی شخص بلا سبب کسی کو قید و بند کی زنجیروں میں نہ ڈالے اور ظلم کسی شکل اور کسی بہانے سے بھی روا نہ رکھا جائے، اس بات کا متقاضی ہے کہ دم پردہ کو ختم کیا جائے۔

بار دیگر یہ بتانا ضروری ہے کہ عورت کی گھر میں اسیری اور بیگانہ مرد کے سامنے جانے سے پہلے برقعہ یا چادر اوڑھ لینے میں بڑا فرق ہے۔ اسلام میں عورت کے لیے قید و اسارت نہیں ہے۔ شرع مقدس اسلام میں پردہ عورت کے

ذمہ ایک فریضہ ہے کہ وہ مردوں کے سامنے جانے سے پہلے پوشاک میں ایک خاص وضع کا لحاظ رکھے۔ یہ فریضہ نہ مردوں کی طرف سے عورت پر عائد ہوا ہے اور نہ ایسی بات ہے جو عورت کے مقام و حیثیت کے برخلاف ہو یا اس کے بنیادی حقوق کے منافی ہو جو خداوند عالم نے اسے عطا کیے ہیں۔

اگر بعض اجتماعی مصالح کی رعایت مرد یا عورت کو مقید کر دے کہ وہ معاشرت میں خاص روش کا خیال رکھیں اور وہ راہ اختیار کریں جس سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے اور اخلاقی معیار برقرار رہے تو اسے "اسیری" یا "غلامی" نہیں کہا جاسکتا اور نہ وہ انسانی حیثیت یا حقیقت آزادی کے منافی ہے۔

دنیا کے متعدد ممالک میں آج بھی مردوں پر اس طرح کی پابندیاں عاید ہیں کہ وہ برہنہ یا سونے کے لباس میں باہر نہیں آسکتے، بلکہ اگر وہ پانچامہ کے ساتھ باہر نکلیں تو پولیس انہیں دھریبتی ہے کہ انہوں نے معاشرتی اصول کا خیال نہیں رکھا۔ جب اخلاقی اور اجتماعی مصلحتیں افراد کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ زمین کے طریقوں میں خاص اسلوب کے پابند رہیں مثلاً مکمل لباس کے ساتھ باہر آئیں تو یہ چیز غلامی نہ ہوگی، نہ اسیری، نہ ہم اسے انسانی حیثیت اور آزادی کے خلاف کہہ سکتے ہیں اور نہ یہ عمل ظلم و زیادتی ہوگا اور نہ عقل کے منافی ہوگا۔

اس کے برعکس اسلام کے بتاتے ہوئے حدود میں عورت کا ڈھکا چھپا رہنا اس کی شخصیت اور احترام میں اصراف کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ اُسے فتنگوں اور اخلاق سے عاری افراد سے محفوظ رکھتا ہے۔

عورت کی شرافت اس بات کی مقتضی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو متین اور باوقار ہو اور چال ڈھال اور لباس میں وہ طرز اختیار کرے جس سے کسی کے جہنی جذبات برانگیختہ نہ ہوں۔ وہ عملاً کسی مرد کو اپنی طرف دعوت

زد سے۔ پرکشش لباس سے اجتناب کرے۔ ایسی چال نہ چلے جو دیکھنے والوں کو اپنی طرف دعوت دے، کسی خاص معنی خیز انداز میں گفتگو نہ کرے، اس لیے کہ بعض اوقات ادائیں کلام کرتی ہیں۔ انسان کا چلنا بھرنے زبان حال رکھتا ہے اور اس کا طرز گفتگو دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔

سب سے پہلے میں اپنے گرد، یعنی گردہ علماء کی مثال دیتا ہوں: اگر ایک عالم اپنی وضع قطع کو معمول سے ہٹ کر مرتب کرے، پگڑی کے حجم کو بڑھائے۔ دائرہ ہی کے طول میں اضافہ کرے اور ایک خاص شان کے ساتھ کاندھوں پر عبنا اور ہاتھ میں عصا لے کر یہ انداز اور یہ شکل و صورت زبان حال سے کہتی ہے کہ میرا احترام کرو، میرے لیے راستا چھوڑو، میرے سامنے موڑو، کھڑے رہو اور میرے ہاتھوں کو بوسہ دو۔

اسی طرح ایک اعلیٰ افسر جب سینے پر تمغے لگائے، گردن تانے زور زور سے اپنے قدم زمین پر مارتا ہے اور بڑی نخوت اور تکبر کے ساتھ بھاری آواز میں گفتگو کرتا ہے تو عملاً ”بے زبان بے زبانی“ کہتا ہے کہ مجھ سے ڈرو اور اپنے دلوں پر میرے رعب و اب کو جاری کرو۔

کیا عورت کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ دلربائی کا انداز اختیار کرے۔ اگر وہ ہنسا سادگی اور خاموشی سے رفت و آمد کا سلسلہ رکھے اور لوگوں کی ثنوت آمیز نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ نہ ہونے دے تو کیا یہ بات عورت کی شخصیت یا مرد کی حیثیت یا معاشرے کے مصالح کے خلاف ہے یا اس سے کسی فرد کی آزادی سلب ہوتی ہے؟

ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کو گھڑی چار دیواری میں مقید کرنا چاہیے، اس پر باہر آنے جانے کے راستے بند کر دینے چاہئیں تو یہ امر عورت کی فطری

آزادی اور انسانی حقوق کے منافی ہے اور یہ بات غیر اسلامی پرووں میں تو پائی جاتی ہے مگر اسلامی پردہ میں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب ہے۔

آپ اگر فقہاء سے استفسار کریں کہ کیا عورت کا محض گھر سے باہر جانا حرام ہے تو جواب ملے گا نہیں۔ اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیا عورت کا مرد سے لین دین حرام ہے؟ تو جواب ملے گا نہیں۔ کیا مجالس، محافل اور اجتماعات میں عورت کا داخلہ ممنوع ہے؟ جواب پھر نفی میں ہوگا۔ تمام عورتیں مسجدوں، مجلسوں اور عظیم نصیحت کی محفلوں میں شرکت کرتی ہیں مگر کسی نے ان سے نہیں کہا ہے کہ ان محافل میں عورت کی شرکت حرام ہے جس میں مرد موجود ہوں۔ کیا عورت کے لیے حصول علم، فن و ہنر کی تعلیم اور ان صلاحیتوں کی تکمیل حرام ہے جنہیں خداوند عالم نے اسی کے وجود میں سمور رکھا ہے؟ تو یہاں بھی جواب نفی ہی میں ہوگا۔

مسائل صرف دو ہیں ایک شرعی ستر پوشی اور دوسرے خود نمائی اور جنسی میلانات کو ابھارنے والی کیفیت کے ساتھ عورت کے باہر جانے کی نکتہ مصلحت اس بات میں ہے کہ عورت کا گھر سے باہر نکلنا مرد کی رضایت اور اس کی مصلحت اندیشی کے ساتھ ہو البتہ مرد کو بھی گھر بلو مصالح کی حد تک اپنا نظریہ یا اپنی رائے پیش کرنی چاہیے اس سے بڑھ کر نہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کا اپنے ہی گھر والوں سے ملنا خلاف مصلحت ہے مثلاً عورت چاہتی ہے کہ اپنی بہن کے گھر جائے مگر اس کی بہن مفسد اور مفتن ہے جو گھر بلو مصالح کے خلاف عورت کو بھڑکاتی ہے۔ تجربہ بھی یہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات کی کمی نہیں ہے بعض اوقات تو عورت کا اپنی ماں سے ملنا بھی گھر بلو مصلحت کے خلاف ہے کیونکہ جب وہ اس سے مل کر آتی ہے تو ہفتہ بھر تک شوہر سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی اور زندگی تلخ اور ناقابل بردبار

ہو جاتی ہے تو ایسے مواقع پر شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے وہاں جانے سے روک دے اور اس پر پابندی عاید کرے تاکہ اس کا گھر یا اس کے بچے کسی آنے والے نقصان سے محفوظ رہیں لیکن جو باتیں گھریلو مسائل کو متاثر نہ کرتی ہوں اس میں مرد کی دخالت بے معنی ہے۔

سرگرمیوں میں رکاوٹ

تیسرا اعتراض جو پردہ پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ پردہ زندگی کے مختلف شعبوں کی سرگرمیوں میں رکاوٹ کا باعث ہے اور وہ عورت کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار آنے سے روکتا ہے۔

عورت بھی مرد کی طرح ذوق و شوق اور فکر و فہم کی حامل ہے۔ قدرت نے اسے بھی کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد عطا کی ہے جو بیکار اور عبث نہیں ہے اور اسے کام میں لانا چاہیے۔

بنیادی طور پر ہر فطری استعداد فطری حق کی دلیل ہے۔ جب کسی ہستی کی خلقت میں کسی کام کی صلاحیت و استعداد رکھ دی جاتی ہے تو یہ اس کے لیے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کو بروئے کار لائے۔ درحقیقت اس کی صلاحیت کی راہ روکنا ظلم ہے۔ آخر ہم کیوں کہتے ہیں کہ تمام افراد بشر کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ علم حاصل کرے لیکن ہم یہ بات بے شعور جانداروں کے لیے نہیں کہتے، اس لیے کہ انسان میں تفصیل علم کی صلاحیت موجود ہے اور حیوانات اس سے عاری ہیں۔ جانور تغذیہ اور تولیدِ مثل کی صلاحیت رکھتا ہے اور ان امور سے اسے محروم کرنا خلافِ عدالت ہے۔

عورتوں کو ان کی صلاحیتوں سے محروم کرنا جنہیں قدرت نے ان کی خلقت میں سمور کھیا ہے نہ صرف عورت پر ظلم ہے بلکہ معاشرے کے ساتھ خیانت بھی ہے۔ بہرہ چیز جو انسان کی فطری اور خدا داد توانائیوں کو معطل اور بے اثر کر دے وہ معاشرے کے لیے مفرت رسال ہے عورت کا شمار بھی انسانوں میں ہوتا ہے اور معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسکی استعداد اور تولیدی توانائیوں سے بہرہ مند ہو۔ عورت کی اپنے انفرادی اور فطری حق سے محرومیت نہ صرف معاشرے کی نصف توانائی کو مفلوج کرتی ہے بلکہ اس عمل سے وہ مرد پر بھی ایک باربن جاتی ہے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی پردہ جس کے حدود ہم بہت جلد بیان کرنے والے ہیں عورت کی توانائیوں اور اس کی فطری استعداد کو ختم کرنے والا نہیں ہے۔ یہ اعتراض اس پردے پر عاید ہوتا ہے جو ہندوؤں، قدیم ایرانیوں یا یہودیوں میں رائج رہا ہے لیکن اسلامی پردہ عورت کو گھر کی چادر پوری میں مقید نہیں کرتا اور اس کی صلاحیتوں کے اظہار کی راہ نہیں روکتا۔ اسلامی پردے کی بنیاد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں جنسی التذاذات کو گھر کی حدود اور اپنے زوج سے وابستہ رکھنا اور ماحول اور معاشرے کو صرف کام کاج کے لیے مختص دینا ہے۔ اسی لیے عورت کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلے تو مردوں کے احساسات کو برا بھلا سمجھ کرے۔ اسی طرح مرد کو بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ ہر قسم کی عورتوں کو تار تار پھرے۔ ایسا پردہ نہ صرف یہ کہ عورت کے کام کاج کی توانائی کو مفلوج نہیں کرتا بلکہ پورے معاشرے کی قوت عمل کو تقویت پہنچاتا ہے۔

اگر مرد جنسی میلانات کو اپنی قانونی شریک حیات کے لیے مخصوص کرے اور یہ فیصلہ کر لے کہ گھر سے باہر معاشرہ میں قدم رکھ کر وہ ان مسائل کی طرف ہرگز

توجہ نہیں دے گا تو وہ یقیناً بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکے گا۔ ایسا کرنے سے اس کی توجہ کبھی کسی عورت یا کسی لڑکی کے تدو قیامت اور اس کی طنز کی اور عشوہ گری کی طرف نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ اس فکر میں نہیں رہے گا کہ کس طرح نلال عورت سے ملاقات کی صورت پیدا ہو۔

کیا عورت کا سادگی کے ساتھ باوقار طریقے سے کام پر جانا معاشرے کے لیے اچھا ہے یا یہ کہ وہ باہر نکلنے سے پہلے کئی کھنٹے سنگھار میز کے سامنے اپنا قیمتی وقت تلف کرے اور جب باہر نکلے تو اس کو کشش میں رہے کہ تمام مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ان نوجوانوں کو جنہیں معاشرے کے عزم، ارادے، کارگزاری اور فیصلوں کا مظہر ہونا چاہیے انہیں ایک بے مقصد، ہو سناک اور شہوت پرست عنصر میں بدل دے۔

حیرت کا مقام ہے کہ پردے کو نصف معاشرے کے مفلوج ہونے کا بہانہ بنا کر تمام مرد و زن کی توانائیوں کو بے لگامی اور بے پردگی سے مفلوج کر دیا گیا ہے۔ نتیجے کے طور پر عورت کا کام باہر جانے کے لیے کھنٹوں سنگھار میز کے سامنے خود آرائی اور مرد کا کام بس تاک جھانک اور شکار ڈھونڈنا رہ گیا ہے۔

اس مقام پر ایک مرد کی اپنی عورت کے خلاف شکایت کا وہ متن درج کرنا نامناسب نہیں ہوگا جو عورتوں کے ایک رسالے نے شائع کیا تھا، اس سے یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ موجودہ حالات نے عورت کی کیا صورت بنا دی ہے:

”میری بیوی سونے کے موقع پر اپنے آپ کو مکمل طور پر ایک جوکر بنا لیتی ہے۔ وہ ایک بڑی جا لیدار لٹو پی اپنے سر پر باندھتی ہے تاکہ سوتے وقت اس کے بال خراب نہ ہوں۔

اس کے بعد سونے کا لباس زیب تن کرتی ہے اور پھر نگہار میز کے سامنے بیٹھ کر اپنا میک اپ اتارتی ہے۔ اپنے منہ کا کریم ایک خاص مواد کے ساتھ دھوتی ہے اور جب پلٹ کر دیکھتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری بیوی نہیں ہے۔ اس کی دونوں بھوئیں ترشی ہوئی ہوتی ہیں، جب وہ اپنا چہرہ صاف کرتی ہے تو اس کے ساتھ اس کی وہ بھوئیں بھی صاف ہو جاتی ہیں جسے اس نے پنسل سے بنا رکھا تھا۔ اس کے چہرے سے ناگوار بو میرے دماغ تک پہنچتی ہے کیونکہ جھڑیاں مٹانے کے لیے جو کریم وہ استعمال کرتی ہے اس سے اٹھنے والی کافور کی بو مجھے قبرستان کی یاد دلاتی ہے۔ کاش معاملہ ہمیں ختم ہو جاتا لیکن ابھی آغازِ کار ہے۔ کچھ دیر چل پھر کر کہہ کو ٹھیک ٹھاک کرتی ہے اور پھر نوکر کو آواز دے کر اس سے تھیلیاں منگواتی ہے۔ نوکر چار سفید کھدر کی تھیلیاں لے کر اوپر آتا ہے بیگم صاحبہ پینک پریٹ جاتی ہیں اور نوکر ان کے ہاتھوں اور پیروں پر وہ تھیلیاں چڑھاتا ہے اور ان کے سرے کس دیتا ہے تاکہ ہاتھوں اور پیروں کے بڑھے ہوئے ناخن لحاف سے نہ الجھیں اور ان کے ٹوٹنے کا احتمال نہ رہے اور اس طرح آخر کار وہ سو جاتی ہے۔“

یہ ہے اس عورت کی حقیقت جو بے پردگی کے زیر اثر ”آزاد“ ہو چکی ہے اور گویا علمی، اجتماعی اور اقتصادی امور کی ایک فعال طاقت بنی ٹیٹھی ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورت کی ایسی مہمل صورت ہو جائے کہ اس کا کام صرف دولت کا

ضیاع معاشرے کی تباہی اور گھریلو بنیاد کو متزلزل کرنا ہی ہو۔ اسلام اکٹھی اجتماعی اقتصادمی اور علمی امور میں سچی فعالیت کا مخالف نہیں رہا ہے اور تاریخ اسلام اس حقیقت پر گواہ ہے۔

آپ کو ردِ حاصر کے غیر منطقی بدلتا ہوا اصول میں گاؤں کے علاوہ کہیں بھی اسلامی اصولوں کے پابند سخت متدین افراد یا ایسی عورت نہیں ملے گی کہ جس کی کارکردگی صحیح طور پر تعلیم، معاشرت یا اقتصادی امور کے حق میں مفید ہو۔

آجکل ایک طرح کے اقتصادی عمل نے رواج پایا ہے جسے ہم بے پردگی کا ثمرہ کہہ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دکاندار بجائے اس کے کہ اچھی نوعیت کا مال اپنے خریداروں کے لیے فراہم کرے ایک خوبصورت لڑکی کو سیل گرل کے طور پر بلازا رکھ لیتا ہے اور اس کی سنوٹائی تو اتانی اور سرمایہ عصمت و عفاف کو اپنے اختیار میں لے کر اسے دولت سمیٹنے اور لوگوں کی حبیبیں خالی کرنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ایک دکاندار پر لازم ہے کہ وہ اچھا مال اپنے خریدار کے لیے فراہم کرے لیکن ایک خوبصورت "سیل گرل" اپنی اداؤں اور جنسی کشش کے بل بوتے پر خریدار کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ بہت سے لوگ جو قطعاً خریداری کے موڈ میں نہیں ہوتے صرف اس سے چند لمحے گفتگو کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ خرید لیتے ہیں۔ کیا ہم اسے اجتماعی فعالیت قرار دے سکتے ہیں؟ یہ تجارت ہے یا دھوکا بازی اور زوال۔

کہتے ہیں عورت کو سیاہ بھیلانہ اڑھاؤ۔

ہم نہیں کہتے کہ عورت اپنے آپ کو سیاہ بھیلے میں ڈالے لیکن کیا اسے ایسا لباس پہننا چاہیے جس سے اس کے سینے کا ابھار ہر عام و خاص کو دکھائی دے اور وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت سے زیادہ پرکشش ظاہر کرے۔ اپنے لباس

اور مصنوعی وسائل سے استفادہ کر کے شہوت پرست لوگوں کو اپنی غیر حقیقی خوبصورتی کے جال میں پھنسائے۔ بی بی سے نئی تراش کے لباس کیوں بننے لگے ہیں؟ کیا اس لیے کہ عورتیں انہیں پہن کر اپنے خاوندوں کی خوشنودی حاصل کریں؟ ان اونچی ایڑی کے جوتوں کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس لیے نہیں کہ اس کے ذریعے کوہلوں کے شکنے کا عمل زیادہ بہتر طریقے سے لوگوں کے مشاہدہ میں آئے؟ کیا بدن کو چھلکانے والے لباس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ مردوں کے جنسی جذبے کو ابھارا جائے؟ اس قسم کے جوتے، کپڑے اور سنگھارا استعمال کرنے والی عورتوں کے نزدیک ناقابل اعتناء صرف ان کے شوہر ہیں۔

عورت صرف عورتوں اور اپنے محارم کے درمیان ہر طرح کے لباس اور سنگھار سے آراستہ ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ مغربی عورتوں کی تقلید کسی اور ہی غرض و غایت سے کی جاتی ہے۔

عورت میں خود آرائی اور دوسروں کی توجہ معطوف کرنے کی خواہش بھی عجیب شے ہے اور اگر اس میں مردوں کی شہ اور معاشرے کے مصلحین کی تشویق بھی شامل ہو، نیز نمونہ ساز اور درزی بھی اس میں حصہ دار ہوں تو کیا کیفیت سامنے آئے گی؟

اگر لڑکیاں اجتماعات میں سادہ لباس اور سادہ جوتے پہنیں اور پردہ کی رعایت کے ساتھ اسکول، کالج اور یونیورسٹی جائیں تو کیا ایسی صورت میں وہ بہتر طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں؟ اصولاً ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر جنسی لذتوں اور شہوانی اغراض کا عمل دخل نہیں تو پھر اس صورت میں عورت کے باہر نکلنے پر اصرار کیوں ہے؟ آخر کیوں مخلوط تعلیم پر اس قدر زور دیا جاتا ہے؟

میں نے سنا ہے کہ پاکستان میں یہ معمول رہا ہے، معلوم نہیں اب بھی ہے یا نہیں کہ یونیورسٹی کی کلاسوں میں رٹ کے اور لڑکیوں کو ایک پردہ ڈال کر علیحدہ کر دیا جاتا ہے اور صرف استاد کو یہ حق ہے کہ وہ دونوں حصوں میں آمدورفت رکھ سکے آخر اس طرح کے طرزِ تعلیم میں کیا مضائقہ ہے؟

میلان و رغبت میں اضافہ

پردے پر ایک اور اعتراض جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان پردے کا وجود میلان و رغبت میں اضافہ کا باعث ہے اور اس بنیاد کے مطابق کہ ”الانسان حدیص علی مانع منہ“ حرص و ہوس کی آگ کو جنسی اعمال کے بارے میں مرد و زن میں تیز تر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ خواہشات کی سرکوبی بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

جدید نفسیاتی علوم میں خاص کر فرائڈ کے ہاں محرومیتوں اور ناکامیوں کا بہت چرچا ہے۔ وہ کہتا ہے ناکامیاں معاشرتی قیود کی پیداوار ہیں اور یہ مشورہ دیتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے خواہشات کو آزاد چھوڑا جائے تاکہ ناکامیاں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریاں ظہور پذیر نہ ہوں۔

برٹریڈ رسل اپنی کتاب ”میرے مشاہدہ کی دنیا“ (فارسی ترجمہ) کے صفحہ ۶۹ اور ۷۰ پر لکھتا ہے:

”روک ٹوک کا سب سے معمولی اثر عمومی طور پر کھوج، جستجو یا ٹوہ کے احساس کی تحریک ہے اور یہ تاثیر ادبیات اور دیگر مواد میں بھی غیر مستحسن رہی ہے۔ اب ہم روک ٹوک کی اثر پذیر بی کے بارے میں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ یونانی فلسفی ”اپٹیل“

درخت ”غار“ کے پتے چبانے کو بہت معیوب اور برا سمجھتا تھا۔ اس پر ہمیشہ خوف و ہراس طاری رہتا تھا کہ اس کے چبانے سے کہیں اسے دوزخ کے اندھیروں میں بسر اوقات نہ کرنا پڑے۔ اس کے برعکس چونکہ مجھے کبھی غار کے پتے چبانے کی مانعت نہیں کی گئی ہے اور میں نے آج تک اس درخت کے پتے نہیں چائے، چونکہ ”امپڈکل“ کو اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ وہ یہ کام نہ کرے۔ پس اس نے ایسا ہی کیا اور غار کے پتے چبانے لگا۔

اس کے بعد اس سوال کے جواب میں کہ کیا غیر اخلاقی موضوعات کی اشاعت آپ کے خیال میں ان سے لوگوں کی دلچسپیوں کو نہیں بڑھاتی؟ کہتا ہے: ”لوگوں کی دلچسپی اس سے ختم ہو جائے گی۔ اگر غیر اخلاقی مواد کی اشاعت کو عام کر دیا جائے تو وہ ایک یا دو سال تک لوگوں میں بڑا مقبول ہوگا لیکن اس کے بعد لوگ اس سے تھکنے

لے ”غار“ ملک شام کا ایک عظیم تناور درخت ہے۔ اہل یونان اسے بہت محترم سمجھتے ہیں۔ اس درخت کی عمر ایک ہزار برس ہوتی ہے۔ اس کے پتے درخت بید کے مانند ہوتے ہیں۔ اس کا مزہ تلخ میز اور خوشبودار ہوتا ہے۔ اس میں چھوٹے سفید رنگ کے پھول آتے ہیں۔ اس کا پھل ریٹھے کے برابر ہوتا ہے مگر چھدکا بہت نازک اور سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کے اندر کا گودا چرب خوشبودار اور زرد ہوتا ہے مگر پلانا ہو کر کازنگ گراسرغ ہو جاتا ہے۔ اس درخت کے برگ، پوست اور پھل طب میں کام آتے ہیں۔ فارسی میں اسے ”دھم“ و ”دھست“ اور دھشت کہا جاتا ہے۔ اس کا انگریزی نام ”LAUREL TREE“ ہے۔

لگیں گے اور بالآخر ایک منزل پر کوئی اسے دیکھنا بھی گوارا نہیں
کرے گا۔“

اس اعتراض کے جواب میں عرض یہ ہے کہ یہ بات درست ہے کہ ناکامی
اور خاص طور پر جنسی ناکامی ناگوار اور خطرناک بیماریوں کی حامل ہے اور فطری
تقاضے کی حد تک خواہشات کی تکمیل پر پابندی لگا دینا غلط ہے لیکن معاشرتی
پابندیوں کا اعتتام اس مشکل کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس میں اضافہ کا باعث
ہوتا ہے۔

جنسی اغراض و مقاصد اور بعض دیگر خواہشات کے باب میں بندش اٹھانا
حقیقی عشق کے مفہوم کو ختم کر دیتا ہے اور طبیعت کو آوارہ اور بے لگام بنا دیتا
ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز جنسی عام ہوگی اس سے مختلف چیز کی طرف طبیعت
مائل ہوگی۔

”رسل“ کا کہنا ہے کہ: ”اخلاق سوز تصاویر کی اشاعت کو جائز قرار
دیا جائے تو ایک عرصے کے بعد لوگ اس سے تھک جائیں گے اور اس کی طرف
آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔“ یہ اصول ایک خاص تصویر یا ایک مخصوص انداز
کی بے حیائی پر صادق آتا ہے لیکن مطلق طور پر تمام بے حیائیوں پر صادق نہیں آتا
یعنی ایک خاص قسم کی بے حیائی سے دل بھر جاتا ہے مگر اس مفہوم میں نہیں کہ
اس کی جگہ ”حیا و شرم“ لے لے، بلکہ اس مفہوم میں کہ اس سے خواہشات کی آگ
اور بھڑکتی ہے اور وہ ایک دوسرے انداز کا تقاضا کرتی ہے جو کبھی ختم ہونے
والا نہیں۔

خود رسل ”ازدواج اور اخلاق“ نامی کتاب میں اعتراف کرتا ہے کہ جنسی
مسائل میں نفسانی خواہش جسمانی حرارت سے مختلف شے ہے، وہ شے جو رضایت

سے تسکین پاتی ہے نفسانی خواہش نہیں جسمانی حرارت ہے۔

اس نکتہ پر توجہ ضروری ہے کہ جنسی مسائل میں آزادی غموتوں کو حرم دہوس کی صورت میں اور زیادہ بوا دیتی ہے جس کی حقیقت ہمیں رومی ایرانی اور عرب حرم سرادروں کی تاریخ سے ملتی ہے لیکن ممنوعیت اور پابندی تغزل اور تخیل کو ایک لطیف اور بلند بشری احساس کی صورت میں ابھارتی ہے اور اسے اقبال بخشی ہے۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس میں فنون و فلسفہ، مقصد و منشاء بشر قرار پاتا ہے۔ لفظ عشق دو مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک حقیقی عشق جسے ابن سینا نے ”پاکیزہ عشق“ کہا ہے اور دوسرا عشق آلودہ، جو ہوس اور جذبہ تصرف سے عبارت ہے۔ یہ دونوں ہی رشتہ نفس سے وابستہ ہیں اور دونوں کی اثر پذیری بھی ناقابل اختتام ہے مگر دونوں میں بہت فرق پایا جاتا ہے۔ حقیقی عشق عیسق تو انانیوں کو سمیٹ کر یکجا کرنے والا اور یکتا پرست ہے جبکہ ہوس سے آلودہ عشق سطحی تو انانیوں کو بکھیرنے والا، تنوع پسند اور بے قید ہوتا ہے۔

فطری خواہشات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محدود اور سطحی ہے جیسے کھانا اور سونا۔ اس قسم کی خواہشات میں جو نہی عزیزہ کی تمکین اور جسمانی طلب کی سیری عمل میں آتی ہے انسان کا لگاؤ اور رغبت بھی ختم ہو جاتی ہے بلکہ ممکن ہے یہ جذبہ نفرت اور بیزاری میں بدل جائے لیکن فطری خواہش سے متعلق ایک اور ضرورت بہت گہری، دریا صفت اور بیجان پذیر ہے جو زہندی اور جاہ طلبی سے عبارت ہے۔ اسی طرح جنسی میلانات کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک جسمانی حرارت اور جن کا شمار اس پہلی قسم میں ہوتا ہے جو محدود اور سطحی ہے لیکن دوسرے پہلو میں دو جنسوں کا ایک دوسرے سے قلبی اتصال ایسا نہیں ہے اور اس کی وضاحت میں ہم نیچے ایک مقایسہ پیش کرتے ہیں۔

ہر معاشرہ خوراک کے اعتبار سے ایک خاص معین مقدار کا طالب ہے یعنی اگر کوئی ملک بطور مثال ۲۰ ملین افراد پر مشتمل ہے تو اس کی خوراک کی ایک مقدار معین سے جس سے کم پران کا گزارا نہیں ہوگا اور اس سے زیادہ بھی فالتو ہونے کی بنیاد پران کے لیے بیکار ہوگا۔ بالفرض اگر ان کے پاس گندم کی فراوانی ہو تو وہ اسے سمندر میں پھینک دیں گے۔ اگر ہم اس معاشرہ کے بارے میں ان کی سال بھر کی ضرورت کے خوردنی اجناس سے متعلق سوال کریں کہ وہ کتنی ہے تو اس کا جواب ایک معین مقدار ہوگا لیکن اگر دولت سے متعلق اس کی ضرورت کے بارے میں سوال کریں اور پوچھیں کہ کتنی رقم اس کے تمام افراد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہوگی، جو اس طرح کافی ہو کہ اگر ہم انہیں مزید پیسہ دینا چاہیں تو وہ یہ کہیں کہ بس اب ہم سیر ہو چکے ہیں، ہمیں اس کی ضرورت نہیں رہی اور ہم اب مزید پیسہ نہیں لے سکتے؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس طلب کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کا کوئی تعین نہیں ہو سکتا۔

علم دوستی کی بھی یہی صورت ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل ہوئی ہے: "منہومان لا یثبعان طالب علم و طالب مال" یعنی دو بھوکے ہرگز سیر نہیں ہوتے۔ ایک طالب علم اور دوسرے طالب مال۔ جتنا ان کو دیا جائے گا اتنی ہی ان کی طلب بڑھے گی۔

جاہ طلبی کے موضوع پر بھی بشر کی یہی کیفیت ہے اور اس کی ظرفیت اس اعتبار سے بھی ناقابل تسکین ہے، ہر فرد معاشرے میں خواہ کتنا ہی اونچا مقام حاصل کر لے پھر بھی اس سے اونچے مقام کی اسے طلب رہتی ہے اور بنیادی طور پر جہاں کہیں بھی جذبہ تصرف کا عمل دخل ہو وہاں اختتام پذیر ہی کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔

جنسی خواہش کے دو پہلو ہیں ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ جسمانی پہلو کے حدود معین ہیں۔ ایک یا دو عورتیں مرد کے جنسی جذبات کی تسکین کے لیے کافی ہیں لیکن تنوع پسندی اور ایسے مقام پر رونما ہونے والی نفسانی پیاس کی شکل دوسری ہے۔

ہم پہلے اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ اس موضوع سے متعلق روحانی کیفیات دو طرح کی ہیں جن میں سے ایک وہ عشق ہے جو فلسفیوں اور خاص طور پر الہی فلسفیوں کے ہاں مذکور ہے۔ کیا یہ حقیقی عشق جسم اور جنس سے وابستہ ہے یا اس کا کوئی ایسا مقصد بھی ہے جو سو فیصد روحانیت سے مربوط ہو یا پھر وہ تیسری شق میں داخل ہوتا ہے جس کی رو سے اس کا تعلق جنس سے ہوتا ہے مگر بعد میں معنوی حالت اس پر طاری ہوتی ہے اور وہ غیر جنسی امور کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ روحانی پیاس فی الحال ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس نوعیت کی پیاس ہمیشہ انفرادی اور شخصی پہلو رکھتی ہے۔ یعنی اس کا تعلق خاص موضوع یا خاص شخص سے ہوتا ہے اور وہ اس کے رابطہ کو اس کے بغیر سے منقطع کرتا ہے۔ یہاں کی یہ نوعیت پابندیوں اور محدودیوں سے وجود میں آتی ہے۔

روحانی پیاس کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں حرص و آرزو کی صورت پیدا ہوتی ہے جس کا تعلق جذبہ تصرف سے یا پھر یہ شہوت اور جذبہ تصرف کے دونوں قابل تسکین میلانات کا مجموعہ ہے اور یہ وہی کیفیت ہے جس کا وجود قدیم صاحبانِ حرم ہرا اور آجکل کے بیشتر سرمایہ داروں اور غیر سرمایہ داروں میں پایا جاتا ہے۔ اس قسم کی پیاس تنوع چاہتی ہے، ایک سے دل بھر جاتا ہے تو دوسرے کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ ایک شخص دسیوں افراد امانت پر حق تصرف رکھتے ہوئے مزید

دسیوں نفوس کے درپے ہوتا ہے۔ جنسی پیاس کی یہی نوعیت ہے جو پابندیوں سے آزاد معاشرے میں پنپتی ہے اور اس کو ہوس کہا جاتا ہے۔
 جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ عشق بڑا عمیق، توانائیوں کو اکٹھے کرنے والا قوت تخیل کو تقویت بخشنے والا اور بیکتا پرست ہے لیکن ہوس، سطحی توانائیوں کو کبھیرنے والی، تنوع پسند اور آوارہ صفت ہے۔

پیاس یا طلب کی یہ قسم جسے ہوس کہا جاتا ہے کبھی تسکین پانے والی نہیں اگر کوئی شخص اس راستے پر چل پڑے اور ہارون الرشید اور خسرو پروزہ جیسا حرم سرا اس کے پاس ہو جو پرزادیوں سے اس طرح پڑ ہو کہ سال میں ایک دفعہ ہر ایک کے پاس جانے کی باری نہ آئے، تب بھی اگر اس کو یہ خبر ملے کہ دنیا کے فلاں کونے میں کسی ماہ رو کا بسیرا ہے تو وہ اس کا طالب ہو گا اور یہ کبھی نہیں کہے گا کہ بس اب اسے سیر ہی ہو چکی ہے۔ اس میں دوزخ کی خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اسے دیتے جاؤ وہ اور زیادہ کی طلب گار ہوتی ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ نَفُودُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلأتِ وَتَقُولُ

هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (سورہ ق۔ آیت ۳۰)

”ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو پُر ہو چکی ہے؟ وہ جواب

دے گی، کیا کچھ اور نہیں ملے گا؟“

انکھ کبھی خوب رویوں کو دیکھنے سے نہیں تھکتی اور دل بھی آنکھ کی ہمراہی

کرتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ بقول شاعر:

دل برود چشم چو مایل بود

دست نظر رشتہ کش دل بود

ایسے حالات میں کثرت اور فراوانی کے ذریعے حصول تسکین اور سیری کسی طرح بھی ممکن نہیں اور اگر کوئی اس راہ سے وارد ہونا چاہتا ہے تو وہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی مکڑی کے ذریعے آگ کی شکم سیری کرے۔

کلی طور پر خواہشات، انسانی فطرت کا ایک حصہ ہیں اور ان پر کوئی پابندی عاید نہیں ہو سکتی۔ انسان فطرتاً بہت کچھ کا طالب بن کر خلق ہوا ہے اور جب یہ روحانی طلب مادیات کا راستا اختیار کرے تو پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اور ہر مرحلہ پر پہنچ کر وہ دوسرے مرحلہ کی طلب اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ لوگ جو نفس امارہ اور شہوانی احساسات کی طغیانی کو صرف محدود میوں اور اس سے وجود میں آنے والی الجھنوں کی پیداوار سمجھتے ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ جس طرح محرومیاں شہوتوں کی سرکشی اور طغیانی کا سبب بنتی ہیں اسی طرح پیروی، اطاعت اور تسلیم مطلق بھی شہوات کی سرکشی اور طغیانی کا سبب ہوتی ہے۔ انہوں نے فرامیڈ کی طرح سکہ کے ایک رخ کو دیکھا ہے اور دوسری طرف نظر نہیں کی ہے۔

ہمارے نامہ چین اور عارفین نے مکمل طور پر اس نکتہ کو سمجھا ہے اور فارسی اور عربی ادبیات میں کثرت سے اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ بقدری کہتے ہیں:

فرشتہ خوی شود آدمی ز کم خوردن وگر خورد چو بہائم بیفتد او چو جماد
مراد ہر کہ بر آری مطیع امر تو گشت خلاف نفس کہ فرمان دہد چو یافت مرد

لہ سیکنڈ فریڈ ایک مشہور عالم آسٹریں ماہر نفسیات ہے جو ۱۸۵۶ عیسوی میں
زیکلفرٹ میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۹ عیسوی میں گلے کے سرطان میں مبتلا ہو کر
لندن کی سرزمین پر چل بسا۔

یو صیری مصری نے اپنے مشہور قصیدہ ”برہ“ میں جسے اسلامی ادبیات کا شاہکار سمجھا جاتا ہے اور جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں لکھا گیا ہے اور نیز نپند و نضاح سے بھی مالا مال ہے، کہتا ہے:

النفس كالطفل ان تهمله شب على حب الرضاع وان تفضعه ينقطع
یعنی نفس ایک طفل کی مانند ہے جسے ماں کے دودھ سے رغبت ہے۔
اگر اسے اسی طرح اپنے حال پر باقی رکھا جائے تو وہ اپنی اسی رغبت پر قائم رہے
گا اور روز بروز اس میں راسخ ہوگا اور اگر اسے دودھ سے روکا جائے تو وہ
ترک پستان کا خوگر ہو جائے گا۔

ایک اور صاحب نظر کہتا ہے:

النفس راغبۃ اذا رغبتھا و اذا ترد الی قلیل تقنع

یعنی جس قدر نفس کی رغبت کے اسباب فراہم کر دو گے وہ تمہاری
رغبت میں اضافہ کرتا رہے گا لیکن اگر تم اسے کم کرنے کی عادت ڈالو گے تو وہ
قناعت اختیار کرے گا۔

فرائید اور اس جیسے دوسرے افراد کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے یہ خیال
کر رکھا ہے کہ غرائز کی تسکین کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ جتنی ہو سکے انہیں غذا فراہم
کی جائے۔ انہوں نے فقط پابندیوں اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے غلط
اثرات پر توجہ دی اور پابندی و ممنوعیت کو خواہشات کی سرکشی اور بغاوت کا سبب
جانا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ خواہشات کی تکمیل کے لیے انہیں مطلق آزادی دینی
چاہیے، وہ بھی اس مفہوم میں کہ عورت کو ہر طرح کی جلوہ گری اور مرد کو اس
سے ہر قسم کے تعلقات کی اجازت ہونی چاہیے۔

انہوں نے موضوع کا صرف ایک رخ دیکھا ہے اور اس بات پر وہ بیان نہیں

وہاں ہے کہ جس طرح پابندیاں اور ممانعت خواہشات کو دبا کر نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتی ہیں، اسی طرح اپنے آپ کو خواہشات کے حوالے کرنا اور تحریکات اور بیجا تاثرات کے سمندر میں ڈوب جانا بھی انسان کو دیوانہ بنا دیتا ہے اور چونکہ ہر فرد کی ہر خواہش کی تکمیل ناممکن ہے۔ لہذا مغزینہ یا خواہش اور زیادہ دباؤ میں آتا ہے اور نفسیاتی الجھن وجود پذیر ہوتی ہے۔

ہمارے خیال میں خواہش کی تکمیل کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک فطری ضرورت کے مطابق خواہش کی تکمیل اور دوسرے اس کی تحریک و تہیج کی راہ دکھانا۔ انسان فطری حاجتوں کے اعتبار سے تیل کے کنوئیں کے مانند ہے جس میں اندرونی گیسوں کا اکٹھا اس کے پھٹ پڑنے کا خطرہ پیدا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کی گیس کو خارج کر کے اسے جلادینا چاہیے لیکن اس عمل کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی ضرورت ہے۔

جب معاشرہ کان، آنکھ اور ہاتھ کی آزادی سے خواہشات میں طوفان کے اسباب فراہم کرے اور پکڑ سکین دینے والے عمل کے ذریعے اس بے قید جذبہ کو سکون بخشنا چاہے تو یہ بات ناقابل اثر ہوگی۔ ہرگز اس طریقے سے سکون اور تسکین میسر نہیں آسکتی بلکہ حالات اس کے برعکس ہوں گے اور تلاطم و اضطراب میں اضافہ ہوگا اور خواہش کی نارسائی نفسانی عوارض کو جنم دے گی جس کے نتیجے میں جرائم فروغ پائیں گے۔

جنسی خواہشات کی بے حساب تحریک اور نہ تھمنے والا تلاطم تیز تر جوانوں اور زورداروں بڑھاپے جیسے امراض کو اپنے وجود میں سمونے ہوئے ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے عرفان اور نکتہ سیخ حضرات جو یہ کہتے ہیں: مراد ہر کہ برآری مطیع امر تو گشت خلاف نفس کہ فرمان دہد چو یافت مراد

وہ اپنی عارفانہ روشن ضمیری کے ساتھ ان نکات تک پہنچ گئے تھے جن تک آج بھی ہمارے موجودہ دور کے وہ ماہرین نفسیات نہ پہنچ سکے جن کا تمام دنیا میں چرچا ہے۔

لیکن یہ جو کہا جاتا ہے ”الانسان حر لیس علی مامتع منہ“ صحت پر مبنی مفہوم ہے لیکن اس کی توضیح ضروری ہے۔ انسان اس چیز کی طرف حر لیس ہوتا ہے جس سے اسے روکا بھی جائے اور تحریک و اشتیاق بھی دلا یا جائے جیسے کسی شخص میں کسی شے کی تمنا پیدا کی جائے اور پھر اس سے اسے روکا جائے لیکن اگر کسی شے کو سامنے نہ لایا جائے یا بہت کم دیکھنے میں آئے تو اس کی طرف رغبت و چاہت کا عنصر بھی اسی نسبت سے کم ہوتا جائے گا۔

فرائیڈ جو بڑی شدت سے جنسی آزادی کا حامی تھا بعد میں اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ جنسی آزادی کو عام کرنے میں اس سے سخت غلطی سرزد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے حالات کا رخ موڑنا چاہا۔ اس کی متعین کردہ دوسری یہ راہ تھی کہ لوگ اپنی توجہ ہٹانے کے لیے نقاشی اور اس جیسے دیگر علمی اور فنی مشغلے اختیار کریں گویا کہ وہ نظریہ تصعید (بلند ہونے) کا حامل بن گیا یعنی جنسی آزادی کی اخلاقی پستی سے بچنے میں کوشاں ہوا کیونکہ تجربہ نے یہ بات بتادی تھی کہ پابندیاں اٹھالینے سے معاشرے میں جنسی خواہشات سے متعلق نفسیاتی عوارض کی بہتات ہو جاتی ہے۔

گزشتہ دور میں نافرمان افراد ان طالب علموں سے کہتے تھے جو ان سے بھی بڑھ کر نادان تھے کہ یعنی غیر فطری فعل فقط مشرقی لوگوں میں رائج ہے کیونکہ وہاں پردے اور دیگر پابندیوں نے مردوں کے لیے عورت سے قرب کو مشکل بنا دیا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب یہ معلوم ہوا کہ اس عمل قبیح کا رواج مغرب والوں میں مشرقی لوگوں سے سو فیصد زیادہ ہے۔

ہمیں اس بات سے انکار نہیں کہ عورت تک رسائی نہ ہونا جنسی بے راہ روی کا باعث ہے اور قانونی ازدواج کے شرائط کو زیادہ سہل ہونا چاہیے لیکن بلاشبہ جس قدر معاشرے میں عورت کی خود نمائی اور آزاد اجتماعی تعلقات جنسی بے راہ روی کا باعث ہوتے ہیں، محدودیت اور نارسائی اس کی پائینگ بھی نہیں۔

اگر مشرقی دنیا میں محرومیتیں، جنسی بے راہ روی کا سبب ہیں تو یورپ میں شہوت پرستی کی کثرت اس انحراف کا سبب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض ممالک نے صحبت ہم جنس کو قانونی حیثیت دیدی اور کہا گیا: چونکہ انگلستان کی آبادی نے عملاً اس فعل کو قبول کر لیا ہے اس لیے قانون ساز ادارہ کو چاہیے کہ وہ قوم کی پیروی کرے۔ یعنی ایک طرح کا جبری ریفرنڈم عمل میں آیا ہے۔ اس سے بڑھ کر میں نے کسی رسالے میں پڑھا ہے کہ بعض یورپی ممالک میں لڑکے قانونی طور پر آپس میں نکاح کرتے ہیں۔

مشرقی دنیا میں بھی محروم افراد اس قدر جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں تھے جس قدر صاحبان حرم سرا، وہ بھی اعراب، اس جنسی بے راہ روی کا طرہ امتیاز سلاطین کے سر ہے۔

اسلامی پردہ

ہم اس بحث کا آغاز قرآن مجید سے کرتے ہیں۔ قرآن کی دو سورتوں میں اس موضوع سے متعلق آیتیں وارد ہوئی ہیں جن میں سے ایک سورہ نور ہے اور دوسری احزاب ہم ان آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد فقہی مسائل روایات اور فقہاء کے فتوؤں پر گفتگو ہوگی۔ سورہ نور میں اس موضوع سے متعلق جو آیت ہے اس کا نشان ۳۱ ہے۔ اس سے قبل کی چند آیتیں گھروں میں داخل ہونے سے پہلے طلب اذن سے متعلق ہیں جو مطلوبہ آیت کے باب میں تمہید یا سر آغاز کا حکم رکھتی ہیں لہذا ہم آیتوں کی تفسیر کو اسی مقام سے شروع کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ
حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ط ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ - فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا

تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارجِعُوا
فارجِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ-
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْلُوْنَةٍ
فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ
قُلُ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَعْظُمُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا
فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَّهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ حَسِيْبٌ
بِمَا يَصْنَعُوْنَ- وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَعْضُرْنَ مِنْ اَبْصَارِ
هِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِمَخْمَرِهِنَّ عَلٰى
رُءُوْسِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اَبَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاؤِهِنَّ اَوْ اَبْنَاتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاؤِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِي
اَخْوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَاؤِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوْ
لِتَبْعِيْنَ غَيْرِ اُولٰٓئِكَ مِنَ الرِّجَالِ اَوْ الْطِفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرْ وَاَعْلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاۗءِ وَلَا يَفْرِيْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيَعْلَمَ مَا يَخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۗ وَتَوْبُوْا
اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اِنَّهُ السَّمُوْعُ الْعَلِيْمُ لِقٰلُوْنَ ۙ

”اے صاحبانِ ایمان! کسی کے گھر میں اطلاع دیے بغیر داخل نہ ہونا
اور جب داخل ہونا ہو تو گھر والوں کو سلام کرنا۔ یہی طریقہ تمہارے
لیے بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت پاؤ۔ پھر اگر تم ان میں سے کسی کو نہ پاؤ تو

لے سورۃ نور۔ آیات ۲۶ تا ۳۱

جب تک تم کو اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہونا اور اگر تمہیں جانے کے لیے کہا جائے تو تم واپس لوٹ جانا یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ البتہ ایسے گھروں میں جانے سے تم پر کوئی الزام عاید نہیں ہوتا جو غیر مسکونی ہیں اور اس میں تمہارا کچھ فائدہ بھی ہے۔ خدا تمہارے ہر اس عمل سے واقف ہے جسے تم ظاہر یا چوری چھپے کرتے ہو۔

(اے رسول!)، صاحبانِ ایمان سے کہو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ اس میں ان کی بھلائی ہے اور خدا ہر اس عمل سے واقف ہے جسے وہ انجام دیتے رہتے ہیں۔

(اے رسول!)، مومن عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو سولے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے، ظاہر نہ کریں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اور ہنیوں کا اپنے گریبانوں پر کھل مارے رہیں اور اپنا بناؤ سنگھار سوائے اپنے شوہروں یا باپ داداؤں یا شوہروں کے باپ داداؤں یا اپنے بیٹوں یا اپنے شوہروں کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں یا اپنی عورتوں یا لونڈی غلاموں یا طفیلی مردوں کہ جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں یا وہ بچے جو ابھی عورت کے راز سے واقف نہیں، کسی پر ظاہر نہ کریں اور اس طرح زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کے چھپے ہوئے زیور ظاہر ہو جائیں، اور اسے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور

توبہ کرو تا کہ تمہیں اللہ کے حضور فلاح و درستکاری حاصل ہو۔“

پہلی اور دوسری آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مومنوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اچانک بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل ہوں۔ تیسری آیت میں غیر مسکونی مکانات اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد کی دو آیتیں عورت اور مرد کی ان ذمہ داریوں کو ظاہر کرتی ہیں جو ان کی ایک دوسرے کے ساتھ طرز بود و باش سے متعلق ہیں اور یہ چند حصوں پر مشتمل ہے:

۱- ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھے اور نظر میں لڑانے سے اجتناب کرے۔

۲- ہر مسلمان مرد اور عورت کو چاہیے کہ وہ پاکدامن ہو اور اپنی شرمگاہ کو دوسروں سے چھپائے رکھے۔

۳- عورتوں کے لیے ستر پوشی لازم ہے انہیں چاہیے کہ وہ اپنے بناؤ سنگھار کو غیروں پر ظاہر نہ ہونے دیں اور مردوں کی تحریک اور دلچسپی کا سبب نہ بنیں۔

۴- عورت کے پردے کے متعلق دو استثناءؤں کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان میں سے

ایک ولا یبیدین ذینتھن الا ما ظہر منھا ہے جو عام مردوں

سے متعلق ہے اور دوسرا ولا یبیدین ذینتھن الا لبعولتھن

..... الخ (سورہ نور- آیت ۳۱) ہے اور یہ خاص افراد کے لیے عورت

کے پردے کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔

ہم ترتیب کے ساتھ ان آیتوں کے مفاہیم کو زیر بحث لائیں گے۔

استیذان

احکام اسلام کی رو سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ پیشگی اطلاع یا اجازت

کے بغیر کسی کے گھر داخل ہو۔

سب کے اس معاشرے میں جہاں قرآن نازل ہوا یہ معمول نہیں تھا کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرے۔ تمام گھروں کے دروازے کھلے تھے جیسا کہ آج بھی دیہاتوں میں یہ بات دیکھنے میں آتی ہے۔ رات ہو کہ دن یہ رواج کبھی نہیں رہا کہ لوگ اپنے گھروں کے دروازے بند رکھیں کیونکہ دروازے چوروں کے خوف سے بند کیے جاتے ہیں اور وہاں ایسا کوئی خوف نہیں تھا۔ سب سے پہلے جس نے دوپٹ دالے دروازوں کا حکم دیا وہ معاویہ تھا اور اس نے حکم دیا تھا کہ دروازے بند رکھے جائیں۔

بہر حال چونکہ گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اور عربوں میں اجازت طلب کرنے کا رواج بھی نہیں تھا بلکہ طلب اجازت کو وہ اپنی توہین سمجھتے تھے اور بغیر پیشگی اطلاع یا اجازت کے ایک دوسرے کے گھروں میں داخل ہوتے تھے۔

اسلام نے اس غلط رواج کو ختم کیا اور حکم دیا کہ بغیر اطلاع کے کوئی کسی گھر میں داخل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس حکم میں دو طرح کے فلسفے کا دخل ہے: ایک ناموس یعنی عورت کے پردے کا مسئلہ اور اسی لیے یہ حکم پردہ کی آیتوں کے ساتھ ایک ہی مقام پر لایا گیا ہے اور دوسرے ہر شخص اپنے محل سکونت میں کچھ اسرار و رموز رکھتا ہے اور نہیں چاہتا کہ دوسروں کو اس کا علم ہو۔ یہاں تک کہ دو جسگری دوستوں کو بھی اس نکتہ کا خیال رکھنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے دو گھر سے دوست پوری بیگانگی کے باوجود اپنی خصوصی زندگی سے متعلق بعض رموز کو ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھنا چاہیں۔

اس بنا پر یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ استیذان یا طلب اذن کا حکم صرف ان

گھروں پر لاگو ہوتا ہے جن میں عورتیں ہوتی ہیں۔ یہ حکم مطلق اور عام ہے۔ وہ مرد اور عورتیں جن کا ایک دوسرے سے پردہ ضروری نہیں، ممکن ہے اپنے گھر میں ایسی حالت میں ہوں کہ کسی دوسرے کا انہیں دیکھنا ان کے لیے گراں ہو۔ بہر صورت یہ ایک کلی امر ہے اور اس کا فلسفہ بھی پڑے کے فلسفے سے زیادہ کلیت رکھتا ہے۔

سورہ نور کی آیت ۲۷

کی تشریحات

”حتے تستانسو“ کا جملہ جو اس مفہوم میں ہے کہ جب تک اعلان نہ کر دو داخل نہ ہو، اچانک داخل ہونے کے عیب کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ لفظ ”انس“ کے مادہ سے ماخوذ ہے جو خوف و ہراس کی ضد ہے۔ یہ لفظ سمجھاتا ہے کہ ایک ہائشی گھر میں آپکا داخلہ اطلاع اور جلب انس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اچانک اور بغیر اطلاع کے داخلہ خوف و ہراس اور ناراضگی کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی روایتیں وارد ہوئی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ”سبحان اللہ“ یا ”اللہ اکبر“ وغیرہ جیسے کلمات دہرا کر اپنے آنے کی اطلاع دی جائے۔ ہمارے یہاں (ایران میں) ”یا اللہ“ کہنے کی رسم ہے اور یہ اسی حکم کی پیروی میں ہے جسے قرآن نے عاید کیا ہے۔

رسول خدا سے پوچھا گیا کہ کیا یہ طلب اذن کا حکم خود اپنے کہنے اور قسمتی رشتہ داروں پر بھی لاگو ہوتا ہے؟ کیا میں اپنی ماں یا بیٹی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے بھی اجازت درکار ہوگی؟ جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری ماں اپنے کمرے میں برہنہ ہو اور تم بے خبر داخل ہو جاؤ تو کیا یہ امر پسندیدہ ہوگا؟

عرض کیا گیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: پس اجازت طلب کرو۔

رسول اکرمؐ بنفس نفیس اس دستور پر عمل کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔ شیعوں اور سنی علماء نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ گھر کے دروازے پر کھڑے ہوتے اور فرماتے: "اسلام علیکم یا اہل البیت" اگر داخل کی اجازت مل جاتی تو آپ داخل ہو جاتے اور اگر جواب نہیں آتا تو آپ اپنے سلام کی تکرار فرماتے کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پہلی اور دوسری دفعہ آواز نہ سن سکے لیکن اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملتا تو آپ لوٹ جایا کرتے تھے اور فرماتے تھے یا گھر میں کوئی نہیں ہے یا وہ نہیں چاہتے کہ ہم اس وقت ان کے گھر میں داخل ہوں۔ اس دستور پر آپ اپنی جگہ گوشہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر کے بارے میں بھی عمل فرماتے تھے۔

یہاں اس آیت کے ضمن میں ایک اہم نکتہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ "بیوت" جو "بیت" کی جمع ہے کمرے کے مفہوم میں آتا ہے۔ عربی زبان میں گھر کے مفہوم میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ "دار" ہے البتہ خراسان کی طرح ایران کے بعض حصوں میں گھر کے لیے کمرہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال بیوت کمروں کو کہتے ہیں اور یہاں سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ استیذان کمروں میں داخل ہونے کے لیے ہے نہ گھروں کے آنگن میں داخلے کے لیے۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ عربوں میں چونکہ ان کے گھروں کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے اس لیے گھروں کے صحنوں کو خصوصی اہمیت حاصل نہیں تھی اور اگر کوئی اپنے گھر میں بالفرض لباس سے عاری رہنا چاہتا تھا تو اس کی جگہ کمرہ ہی تھی۔ لیکن جہاں صحن بھی کمرہ کی صورت اختیار کر لے جیسا کہ ہمارے یہاں (ایران میں) رسم ہے کہ دروازے بند ہیں، دیواریں اونچی اٹھائی گئی ہیں، اگرچہ ہم اسے کمرہ جیسی

پناہ گاہ اور مکمل خلوت کی جگہ تو نہیں کہہ سکتے تاہم کسی حد تک خصوصی پہلو کا حامل ہے اور ایسے مقامات کے لیے بھی استیذان یا طلبِ اذن حکم و وجوب کی صورت رکھتا ہے۔

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے: ”ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ“ یعنی یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ گویا ہم نے جو حکم جاری کیا ہے وہ بے دلیل نہیں ہے۔ اس کا ایک فلسفہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے مصلحت پوشیدہ ہے شاید کہ تم اس بارے میں سوچو اور اس کی مصلحت دریافت کرو۔

سورہ نور کی آیت ۲۸

کی تشریحات

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اپنے آنے کی اطلاع اور طلبِ اجازت کے بعد جب یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی گھر میں موجود نہیں ہے تو اس گھر میں داخل نہ ہونا۔ مگر یہ کہ تمہیں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہو، مثلاً گھر کا مالک گھر کی چابی تمہیں دے جائے یا خود موجود ہو اور تمہیں اجازت دے۔ اور پھر ارشاد ہوتا ہے: ”وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ادْخُلُوا فَادْخُلُوا“ اگر گھر والا تمہیں واپس لوٹ جانے کے لیے کہے اور اندر آنے کی اجازت نہ دے تو واپس لوٹ جاؤ اور برا محسوس نہ کرو۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اہل عرب طلبِ اجازت کو اپنے لیے باعثِ ننگ سمجھتے تھے۔ یہ ان کی ایک نادانی تھی۔ آج ہمارے معاشرے کی بھی یہی کیفیت ہے کہ آنے والے کو اجازت نہ دینا خواہ وہ کسی معقول عذرِ ہی کی بنا پر کیوں نہ ہو

اس کی توجین سمجھی جاتی ہے اور یہ جہاری نادانی ہے۔ اگر کوئی کسی کے گھر جائے اور گھر والا یہ کہے کہ ابھی میرے پاس ملاقات کے لیے وقت نہیں ہے تو یہ بات اس پر گراں گزرتی ہے اور اسے غصہ آجاتا ہے۔ اب وہ جہاں جائے گا یہ کہے گا کہ میں فلاں کے گھر گیا تھا مگر اس نے بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور مجھے گھر میں آنے نہ دیا۔ یہ بھی ایک نادانی اور جہالت ہے۔

ہمیں قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ احکامات قرآن کی پیروی ہمیں بہت سی تکلیفوں اور رنجشوں سے نجات دلاتی ہے۔ جھوٹ اور غلط بیانیوں کا ایک سلسلہ اس کج رفتاری اور بے جا توقعات کی پیداوار ہے جو ہم میں رواج پا گیا ہے۔

کوئی شخص پیشگی اطلاع کے بغیر کسی کے گھر جاتا ہے۔ گھر والا اس سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ضروری کام میں الجھا ہوتا ہے اور اس وقت کی ملاقات اس کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے اس لیے وہ کھلوا دیتا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ تاہم آنے والے کو اس جھوٹ کا علم ہو جاتا ہے مگر وہ غلطی پر ہوتا ہے کیونکہ وہ پہلے سے وقت کا تعین کیے بغیر اس سے ملنے آتا ہے۔ ادھر گھر والے کو بھی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس سے معذرت چاہے اور کہے کہ اس وقت ملاقات کے لیے اس کے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کر بھی لے تو آنے والے میں اتنا فہم و شعور نہیں ہوتا کہ وہ اس کی معذرت کو قبول کر لے۔ اس کی بجائے وہ ساری عمر گلہ کرتا رہے گا کہ فلاں شخص کے گھر گیا لیکن اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مواقع پر جھوٹ بولا جاتا ہے تاکہ ملاقاتی سے کوئی رنجش پیدا نہ ہو لیکن اگر قرآنی دستور کی رہایت کی جائے تو نہ جھوٹ بولا جائے گا اور نہ ہی رنجش ہوگی۔ لہذا ارشاد ہوتا ہے: ”ہو از کی لکم“ یعنی یہی بتایا ہوا طریقہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔

”والله بما تعملون علیم“ یعنی جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ یہاں مجھے مرحوم آیت اللہ بروجردی سے متعلق ایک واقعہ یاد آتا ہے جسے میں نقل کرتا ہوں۔

جین دنوں میں تم میں تھا ابران کے مشہور خطیبوں میں سے ایک خطیب تم تشریف لائے اور اتفاقاً میرا کہہ مستقل طور پر دونوں بزرگوں کی ملاقات کی جگہ قرار پایا۔ یہیں ان سے بات چیت ہو کر تھی۔ اسی دوران ایک دن کوئی شخص ایک نامناسب وقت میں انہیں جناب آیت اللہ بروجردی مرحوم کے مکان پر لے گیا۔ وہ وقت آپ کے مطالعہ کا تھا اور آپ اس موقع پر کسی سے ملاقات نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ نے نوکر سے کہلوا بھیجا کہ یہ وقت میرے مطالعہ کا ہے کسی اور وقت تشریف لائیں۔ وہ خطیب واپس آگئے اور اتفاقاً اسی روز اپنے شہر کو لوٹ گئے۔ اس روز جب جناب آیت اللہ بروجردی درس کے لیے تشریف لائے اور مجھے صحن میں بیٹھا دیکھا تو فرمایا: میں درس کے بعد فلاں شخص کو دیکھنے تمہارے کمرے میں آؤں گا۔ میں نے عرض کیا وہ تو چلے گئے۔ فرمایا: ”جب کبھی انہیں دیکھو تو ان سے کہنا: جس وقت آپ میری ملاقات کو آئے تھے میری کیفیت وہی تھی جو تمہاری تقریر سے پہلے تیاری کے وقت ہوا کرتی ہے۔ میں یہ چاہتا تھا کہ جب ہم ایک دوسرے سے ملیں تو کیسوی سے گفتگو کر سکیں۔ اس وقت میں مطالعہ میں مصروف تھا کیونکہ مجھے درس کے لیے تیار ہو کر آنا تھا“

ایک مدت کے بعد میں اس خطیب سے ملا اور جناب آیت اللہ بروجردی کی معذرت پیش کی۔ میں نے سنا تھا کہ بعض افراد نے اس کے دل میں شکوک پیدا کر دیے تھے کہ یہ تمہاری تو بہن کے لیے ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ اس طرح

تمہیں گھر کے دروازے سے لوٹا دیا جائے۔ میں نے اس محترم خطیب سے کہا:
جناب آیت اللہ برجدی صاحب آپ سے ملنے آنا چاہتے تھے مگر جب انہیں
معلوم ہوا کہ آپ جا چکے ہیں تو بہت معذرت خواہ ہوئے۔

اس شخص نے ایک جملہ کہا جو میرے لیے بہت دلچسپ تھا۔ اس نے کہا:
نہ صرف یہ کہ میں نے ذرا برابر اس بات کو محسوس نہیں کیا بلکہ اس سے بہت خوش
ہوا کیونکہ ہم اہل یورپ کی تعریف کرتے ہیں کہ وہ بہت کھرے اور بے لاگ
ہیں اور بے جا لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ میں نے تو ان سے وقت نہیں لیا تھا بلکہ
غفلت کے سبب سے نامناسب وقت پر ان کے ہاں گیا تھا۔ مجھے تو اس
مرد خدا کی صراحت اچھی لگی کہ اس نے صاف طور سے کہہ دیا کہ اس وقت میں
مصروف ہوں۔ کیا یہ بات اچھی ہوتی کہ وہ بے چینی کے عالم میں مجھ سے ملتے؟
ان کا دل اندر ہی اندر سے کڑھتا اور وہ جی ہی جی میں کہتے، نہ معلوم یہ کونسی
بلا مجھ پر نازل ہو گئی ہے جس نے میرا وقت بھی خراب کیا اور رس بھی۔ مجھے تو
اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ انہوں نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ مجھے لوٹایا۔
مسلمانوں کے مرجع کے لیے ایسی صاف گوئی کتنی قابل ستائش بات ہے۔

سورہ نور کی آیت ۲۹

کی تشریحات

اب ہم پھر آیتوں کی تفسیر کی طرف آتے ہیں، بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا
ہے: 'لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتاً غیو مسکونہ فیہا
متاع لکم' اس آیت میں استثناء کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ

طلب اذن کا جو حکم تمہیں دیا گیا ہے وہ صرف ان رہائشی مکانات کے لیے ہے جن میں کوئی رہتا ہے اور وہ خلوت گاہ کا پہلو رکھتے ہیں۔ وگرنہ جہاں عام طور پر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو یہ حکم اس پر لاگو نہیں ہوتا، خواہ وہ مکان کسی اور کا ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً اگر آپ کو کسی گزرگاہ (PASSAGE) یا کسی کھینچی یا دکان میں کوئی کام ہے تو ضروری نہیں کہ آپ چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہیں۔ اسی طرح وہ عام محامیے کے جس کا دروازہ کھلا ہو۔ ان موارد میں طلب اذن ضروری نہیں ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ آپ کسی کام کے تحت غیر آباد مکانوں میں بغیر اجازت داخل ہوں۔

”فیہا منشاء لکم“ کی قید ہمیں یہ سمجھاتی ہے کہ اس طرح کے مکانوں میں انسان کا داخلہ صرف اس صورت میں روا ہے کہ جب اسے وہاں کوئی کام ہو وگرنہ مارکان مکان کے لیے تکلیف کا باعث نہیں بننا چاہیے۔

”واللہ یعلم ماتبدوں و ماتکتبون“ یعنی خدا تمہارے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے باخبر ہے کہ تم کس ارادے سے کس کے گھر میں داخل ہوئے۔

سورہ نور کی آیت ۳۰

کی تشریحات

اور پھر ارشاد ہوتا ہے: ”قل للمومنین یغضوا من ابصارہم ویحفظوا فروجہم....“ یعنی (اے رسول!) کہہ دو ان مومنوں سے

کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں....

”عین“ اور ”بصر“

اس آیت میں لفظ ”ابصار“ استعمال ہوا ہے جو ”بصر“ کی جمع ہے۔ ”بصر“ اور لفظ ”عین“ میں فرق پایا جاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے اردو میں ”نگاہ“ اور ”آنکھ“ میں فرق ہے۔ عین جو اردو میں آنکھ ہے، ایک خاص عضو کا نام ہے لیکن کارکردگی کی صفت جو دیکھنے سے متعلق ہے اس میں شامل نہیں لیکن ”بصر“ جو اردو میں ”نگاہ“ سے عبارت ہے اس اعتبار سے آنکھ ہے کہ اسے دیکھنے کا مخصوص عمل (ابصار) انجام پاتا ہے۔

جب کوئی شاعر اپنے محبوب کی آنکھوں کے تناسب اور خوبصورتی کی تعریف کرنا چاہتا ہے اور دیکھنے کے عمل پر توجہ نہیں دیتا تو آنکھ کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ ”نگاہ“ اس مقام پر استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہاں آنکھ کی درستی اس کی سیاہی اور رخسار آلودگی پیش نظر ہے۔

لیکن جب دیکھنے کا عمل پیش نگاہ ہو تو لفظ ”نگاہ“ استعمال ہوتا ہے۔ زیر بحث آیت میں چونکہ دیکھنے کا عمل پیش نظر ہے اس لیے لفظ ”عیون“ نہیں بلکہ لفظ ”ابصار“ استعمال ہوا ہے۔

غض اور غمض

اس آیت میں دوسرا لفظ ”یغضوا“ استعمال ہوا ہے جس کا مادہ ”غض“ ہے۔ غض اور غمض دو لفظ ہیں جو آنکھ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ بعض افراد ان دونوں کے مفہوم میں اشتباہ کر جاتے ہیں۔ پہلے ہمیں ان دونوں کے

معانی کو طے کرنا چاہیے۔ پلکوں کو ایک دوسرے پر سلا دینا "غمض" ہے اور غمض کرنا کنایہ ہے۔ صرف نظر کرنے سے۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ لفظ غمض عین کے ساتھ ہے "بصر" کے ساتھ نہیں۔

لیکن "غمض" کے بارے میں کہا جاتا ہے غمض البصر یا غمض نظریا غمض طرف غمض کے معنی کم یا دھیرے کرنے کے ہیں اور غمض بصر سے مراد نگاہ کو محدود کرنا ہے۔ سورہ لقمان کی انیسویں آیت میں قرآن مجید حضرت لقمان کی اپنے فرزند کو نصیحت کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے "وَاعْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ" یعنی اپنی آواز کو دھم رکھو اور چیخ کر نہ بولو۔ سورہ حجرات کی تیسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَسْوَأَ نَفْسِهِمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ - أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ - لِيَتَّقُوا" یعنی وہ لوگ (جو بات کرتے وقت) اپنی آواز کو جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دھیمی اور ملائم کرتے ہیں ان لوگوں میں سے ہیں جن کے قلوب کو خداوند عالم نے تقویٰ کے لیے آزمایا ہے۔

بند بن ابی ہالہ کی وہ مشہور حدیث جس میں انہوں نے رسول خدا کی توصیف کی ہے "یوں وارد ہوا ہے: "وَإِذَا فَرَغَ غَضَّ طَرْفَهُ" یعنی جب آپ خوش ہوتے تھے تو اپنی آنکھوں کو نیم خوابیدہ کیفیت میں لے آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے آنکھیں بند کر لینا یا سامنے نہ دیکھنا مراد نہیں ہے۔

مرحوم مجلسی اعلی اللہ مقامہ اس جملے کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں: "ای کسره اطرق ولم يفتح عينه وانما يفعل ذلك ليكون البعد من الاشر والروح"

۱۔ تفسیر صافی سورہ نور کی ۳۱ ویں آیت کے ذیل میں نقل از تفسیر علی بن ابراہیم۔

یعنی اپنی بلکیں جھکائے سر نیچے ڈال کر اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ فرط مسرت سے برکنار رہیں۔ عام طور پر جذبات سے مغلوب افراد جب خوشی کے عالم میں ہوتے ہیں تو شائستہ اور باوقار افراد کے برخلاف بے اختیار آنکھیں پھاڑ کر قہقہہ لگاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے جنگ جمل میں اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو پرچم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ”پھاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں مگر تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ اپنے دانتوں کو مضبوطی سے جھینچ لو (تاکہ تمہارے غیض و غضب میں حرکت پیدا ہو) اپنے سر کو عاریتہ اللہ کے حوالے کرو اور قدموں کو مضبوطی سے زمین پر جما دو“

اس کے بعد آخر میں آپ فرماتے ہیں: ”ارم ببصرک اقصی القوم و غض ببصرک“ دشمن کی آخری صف پر نظر جمائے رکھو اور آنکھیں موند لو۔ ظاہر ہے کہ یہاں مفہوم آنکھیں بند کر لینا یا دیکھنا نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری آنکھیں کسی خاص شے یا مخصوص دشمن کے جنگی ساز و سامان پر نہ جم جائیں۔

اسی طرح آپ جنگوں میں اپنے اصحاب کو دیے جانے والے عمومی دستور العمل میں ارشاد فرماتے ہیں: ”غضوا الابصار فانہ اربط للجاش و اسکن للقلوب و امیتوا اصوات فانہ اطرر للنفشل“ دشمن کے جنگی ساز و سامان پر اپنی نگاہیں کم رکھو کہ ایسا کرنے سے تمہارے دل محکم اور آسودہ رہیں گے۔ آوازوں کو خاموش کر دو (ہنگامہ آرائی نہ کرو) کیونکہ متانت و سکون ہر چیز کے خوف کو دور کر دیتی ہے۔

۱۰۔ پنج البلاغہ۔ خطبہ ۱۱۔ اور ”وسائل“ جلد ۲۔ کتاب الجہاد۔ صفحہ ۴۲۹

ان تمام موارد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غرض بصر سے مراد کم تر دیکھنا یا نگاہیں نہ جمانا یا ان دیکھا خیال کرنا اور گویا مستقل نگاہوں میں نہ رکھنا ہے۔
 سورۃ نور کی زیر بحث آیت کے ذیل میں صاحب مجمع البیان نے لکھا ہے: "اصل الغرض النقصان" یعنی بنیادی طور پر غرض کا مفہوم کاہش اور کمی ہے۔ "یقال غرض من صوتہ ومن بصرہ ای نقص" یعنی جب اس مادہ کو "صوت" یا "بصر" سے نسبت دی جاتی ہے تو گویا اس میں کمی کا مفہوم پیدا ہوگا۔ یہی صاحب تفسیر سورۃ حجرات کی آیت کے باب میں کہتے ہیں: "غرض بصرہ اذا ضعفه عن حدۃ النظر" یعنی "غرض بصرہ" کا مفہوم نگاہ کی تیزی کو کم کرنا ہے۔ رابع صفہانی نے اپنی تفسیر کتاب "مفردات القرآن" میں اس جگہ کو بالکل اسی مفہوم میں ادا کیا ہے۔

لہذا زیر بحث آیت میں "یغضوا من ابصارہم" کا مفہوم کم تر دیکھنا ہے یعنی اس پر نظر نہ جمائے رکھنا ہے اور علماء اصول کی اصطلاح میں ان کی نظریں عمومیست ہو، خصوصیت نہ ہو۔

توضیحاً یہ کہ کبھی انسان کی نگاہ کسی شخص کے سراپا کو جانچنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس وقت وہ پوری توجہ سے اس کے لباس، اس کی کیفیت آرائش اور اس کے پورے وجود کا بھرپور نگاہ سے جائزہ لیتا ہے لیکن کبھی وہ سامنے کھڑے ہوئے شخص کو صرف اس لیے دیکھتا ہے کہ اس سے بات کر رہا ہوتا ہے اور چونکہ گفتگو کا لازمہ دیکھنا ہے اس لیے آنکھیں اسے دیکھتی ہیں۔ اس طرح کی نگاہ کو جو وسیلہ سخا طیب ہے "آلی نگاہ" کہا جاتا ہے، جبکہ پہلی نوعیت کی نگاہ "استقلالی" ہے۔ پس مذکورہ آیت کے اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ عورتوں کو نہ گھوریں اور ہر طرف انہیں دیکھنے کی

ٹوہ میں نہ رہیں۔

یہاں اس نکتہ کا ذکر بھی ضروری ہے کہ بعض مفسرین جنہوں نے ”غض بصر“ کو ترک نظر کے مفہوم میں لیا ہے اس بات کے مدعی ہیں کہ ترک نظر سے مراد شرمگاہ کو نہ دیکھنا ہے۔ چنانچہ بعد کا جملہ بھی شرمگاہ کو لوگوں کی نظروں سے محفوظ رکھنے کی بات کرتا ہے۔ بہر حال جیسا کہ فقہانے کہا ہے غض بصر سے مراد ترک نگاہ بطور مطلق ہو بھی تو نگاہ کی وابستگی یا مطلق نگاہ کا تذکرہ نہیں ہوا ہے کہ وہ کیا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم نے استنباط کیا ہے اگر ”غض بصر“ سے مراد جم کر نہ دیکھنا ہو یعنی ایسی نگاہ سے اس کا تعلق ہو جو لازمہ تنہا طلب ہو اور مقصد یہ ہو کہ گھور گھور کر آنکھیں نہ سینکی جائیں تو قطعاً اس کا تعلق چہرے کے غض بصر سے ہے اور بس، کیونکہ چہرے سے ہٹ کر دوسرے مقامات پر (جس میں غالباً کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی شامل ہیں) نگاہ ڈالنا ”غض بصر“ کے ساتھ بھی ناجائز ہے۔

شرمگاہ کی محافظت

بعد کے جملہ میں ارشاد ہوتا ہے: ”و يحفظوا خدو جہلم“ یعنی مومنین سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ممکن ہے اس سے مفہوم پاکدامن ہونا ہو۔ یعنی وہ اپنے آپ کو زنا، فحشاء اور دیگر قبایح سے بچائے رکھیں۔

۱۷ حضرت آیت اللہ حکیم کی کتاب ”مستحک العروہ“ جلد ۵ صفحہ ۱۹۱ ملاحظہ کریں۔

لیکن اسلام کے دور اول کے مفسرین کا نظریہ اور نیز اخبار و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے ان دو آیتوں کے جہاں کہیں قرآن میں شرمگاہ کی حفاظت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے۔ صرف مذکورہ دو آیتیں ہی ایسی ہیں جن میں حفاظت بہ اعتبار نظر استعمال ہوا ہے اور مراد شرمگاہ کو چھپانے کا وجوب ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عرب معاشرے میں شرمگاہ کو چھپانے رکھنے یا نہ رکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اسلام نے اسے واجب قرار دیا۔ اس دور جدید میں بھی بعض متمدن مغربی ممالک کشف عورت یا ننگے پن کی تائید و تشویق کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے دنیا کو پھر دور جاہلیت میں داخل کیا جا رہا ہے۔

رسول نے اپنی کتاب موسومہ ”تربیت کے باب میں“ کے اندر جن چیز کو ”غیر منطقی روش“ قرار دیا ہے وہ یہی شرمگاہ کو چھپانے کا مسئلہ ہے۔ وہ کہتا ہے آخر ماں باپ کو یہ اصرار کیوں ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو اپنے بچوں سے چھپائے رکھیں؟ یہ اصرار بچے کی حسرت جو کجا بھانڈا ہے۔ اگر والدین اپنی شرمگاہوں کو بچوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہ کریں تو اس طرح کا جھوٹا تجسس وجود پذیر نہیں ہوگا۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی شرمگاہیں اپنے بچوں کو دکھائیں تاکہ کوئی بات دھکی چھپی نہ رہے اور بچے پہلے ہی ہر شے سے آگاہی حاصل کریں۔

”رسول“ شرمگاہ کے چھپانے کے مسئلہ کو TABOO یعنی جبری اخلاق سمجھتا ہے جو معاشرتی علوم کے موضوعات میں سے ایک موضوع ہے اور یہ جنگلی قبائل میں پائی جانے والی ان پابندیوں سے عبارت ہے جو خطرناک اور غیر منطقی ہوا کرتی ہیں۔ رسول جیسے افراد کے نظریہ کے مطابق آج کی متمدن دنیا

میں رواج پانے والے تمام اخلاقی اصول پورے طور پر ”تابو“ کے زیرِ نگین ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ انسان تمدن کے نام سے پھر وحشی قبائل کے دور میں واپس پہنچنا چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں ”الجاہلیہ الاولیٰ“ کا جملہ وارد ہوا ہے۔ شاید اس میں یہی بات بتانی مقصود ہو کہ قدیم جاہلیت پہلی جاہلیت تھی۔ بعض روایات میں ”اسی ستکون جاہلیہ اخریٰ“ آیا ہے۔ گویا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جلد ہی ایک دوسری جاہلیت وجود پذیر ہوگی۔

قرآن ”ستر عورت“ کے حکم کے بعد فرماتا ہے: ذلک ازکی لیسلمہ“ یعنی یہ ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ شرمگاہ کا چھپانا ایک طرح سے روح کی پاکیزگی ہے اور اس سے بہتر ہے کہ انسان ہمیشہ پست اعضاء کے متعلق ہی سوچتا رہے۔

اس جملے کے ساتھ قرآن چاہتا ہے کہ اس عمل کے فلسفے اور منطق کو بیان کرے اور قدیم و جدید جاہلیت کو جواب دے کہ وہ ان پابندیوں اور ممانعت کو غیر منطقی اور ”تابو“ نہ کہیں بلکہ ان کی تاثیر اور منطق پر توجہ دیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ”ان اللہ خبیر بما یصنعون“ خداوند عالم ان کے ہر عمل سے باخبر ہے۔

سورہ نور کی آیت ۳۱

کی تشریحات

بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ”وقل للمومنات لیغضضن من ابصارھن ویحفظن فردوجھن“ بالکل وہی پہلے بیان کیے جانے والے

دو فریضے، ترک نظر و پاکدامنی (ستر عورت) جو مردوں کے لیے بیان ہو چکی ہیں
 عورتوں کے لیے بھی انہیں الفاظ کے ساتھ واجب العمل قرار پائی ہیں۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے احکامات نوع
 بشر کی اصلاح اور بہتری کے لیے نافذ ہوتے ہیں۔ عورت ہو یا مرد، اسلامی قوانین
 کسی امتیاز اور مرد و زن کے اختلاف کی بنیاد پر استوار نہیں ہوتے ہیں۔ وگرنہ یہ
 تمام واجبات عورت کے لیے ہونے چاہئیں تھے اور مرد اس سے بری الذمہ ہوتے۔
 اگر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ ستر پوشی صرف عورت سے مخصوص کی گئی
 ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ عورت کا خمیر ستر پوشی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ پہلے
 بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ عورت منظر جمال ہے اور مرد منظر فریفتگی۔ لہذا عورت
 ہی سے کہنا ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو معرض نمائش میں قرار نہ دے، مرد سے نہیں۔
 لیکن اس کے باوجود مرد عورت سے زیادہ معقول لباس کے ساتھ گھر سے نکلتا ہے
 اس لیے کہ اسے خود نمائی سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کا میلان طبع نظر بازی ہے۔
 مرد کی یہ نظر بازی عورت کو خود نمائی کے لیے زیادہ تر غیب دیتی ہے اور عورت
 میں یہ بات نہیں پائی جاتی اس لیے مرد میں خود نمائی کا جذبہ بھی بہت کم پایا جاتا ہے۔

زینت

بعد کے جملے میں ارشاد ہوتا ہے: ”ولایبیدین زینتھن الا ما ظہر منھا“
 عربی میں زینت کا لفظ اردو کے لفظ ”زیور“ سے زیادہ وسیع ہے اس لیے کہ زیور
 اس زینت کو کہا جاتا ہے جو بدن سے علیحدہ رہتا ہے؛ سونے چاندی اور جواہرات
 کے ہار وغیرہ، لیکن لفظ زینت زیور کے علاوہ بدن سے متصل آرائشات کے لیے
 بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے سرمہ و خضاب وغیرہ۔

اس حکم میں کہا گیا ہے کہ عورتوں کو اپنی آرائش اور زیورات کی نمائش نہیں کرنی چاہیے لیکن اس فریضے کے لیے دو استثناءؤں کا تذکرہ ہوا ہے ہم ان دونوں پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

پہلا استثناء

”الا ما ظہر منہا“ یعنی سوائے ان زینتوں کے جو خود بخود آشکار ہو جاتی ہیں۔ اس عبارت سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ عورتوں کی زینتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک آشکار اور دوسری مخفی۔ مگر یہ کہ عورت اسے عمداً اور قصداً ظاہر کرنا چاہے۔ پہلی قسم کی زینت کا چھپانا واجب نہیں لیکن دوسری قسم کی زینتوں کا چھپانا واجب ہے۔ یہاں یہ مشکل درپیش ہے کہ آشکار زینت کو کسی ہے اور مخفی کو کسی؟

اس استثناء کے بارے میں بہت پچھلے ہی صحابہ، تابعین اور ائمہ اہل ہادیس علیہم السلام سے سوال ہوا اور اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے: اس استثناء کے بارے میں تین اقوال ہیں:

پہلا یہ کہ آشکار زینت سے مراد لباس ہے (اوپری لباس) اور پیروں کے کڑوں، گوشواروں اور چوڑیوں کو مخفی زینت کہا گیا ہے اور یہ قول مشہور صحابی رسول حضرت ابن مسعود سے نقل ہوا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ظاہری زینتوں سے مراد سرمہ، انگوٹھی اور ہاتھوں کی ہندی ہے۔ یعنی وہ سنگھار جو چہرے اور کلائی تک ہاتھوں سے متعلق ہے اور یہ ابن عباس کا قول ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آشکار زینت سے مراد خود چہرہ اور کلائیوں تک

دونوں ہاتھ ہیں اور یہ قول ضحاک اور عطا کا ہے۔

تفسیر کافی میں اس جملہ سے متعلق ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کچھ روایتیں نقل ہوئی ہیں جنہیں ہم بعد میں نقل کریں گے۔

تفسیر کشاف میں آیا ہے: ”زینت عبارت ہے ان چیزوں سے جن سے عورت اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے۔ جیسے سونے کے زیورات، سرمہ اور خضاب وغیرہ۔ انگوٹھی، چھلا، سرمہ اور خضاب جیسی زینتوں کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن ہاتھوں اور پیروں کے کڑے، بازو بند، گلوبند، تاج، کمر بند اور گوشوارے جیسی پہناؤ زینتوں کو آشکارا نہیں ہونا چاہیے۔ مگر ان لوگوں کے سامنے جنہیں آیت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے“

صاحب کشاف کہتے ہیں: ”آیت میں خود پوشیدہ زینتوں کی گفتگو ہے نہ بدن میں ان کے مقامات کی اور یہ ہاتھ بازو، پاؤں، گردن، سرسینہ اور کان جیسے بدن کے حصوں کو چھپانے میں زیادہ شدت اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اس کے بعد صاحب کشاف عورتوں کے مصنوعی بالوں پر گفتگو کرتے ہیں اور پھر ظاہری زینت کے مقامات سے متعلق ایک دوسری بحث کرتے ہیں کہ سرمہ، خضاب، سرخاب اور انگوٹھی جیسی ظاہری زینتوں اور چہرے اور ہاتھوں سے متعلق ان کے مقامات کے استثناء کا فلسفہ کیا ہے؟

پھر وہ اس کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس کا فلسفہ یہ ہے کہ عورت کے لیے ان کا چھپانا بہت دشوار ہے۔ اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اشیاء کو اٹھائے اور اپنا چہرہ کھلا رکھے۔ خاص طور پر جہاں اسے مقدمات میں گواہی دینی ہو یا شادی یا ہوموں کے موقعوں پر اسے گلی کوچوں میں راستہ طے کرنا ہوتا ہے اور چلتے ہوئے خواہ مخواہ اس کے پردہ کھائی دیتے

ہیں۔ خاص طور پر ان غریب عورتوں کے پاؤں اور پیٹھ بیاں نہیں چھپ سکتیں کہ جن کے پاس موزے اور کبھی کبھی جوتے بھی نہیں ہوتے۔ یہ ہے؛ ”علی ما ظہر منها“ کا مفہوم ”اور حقیقتاً اس کے معنی یہ ہیں: ”مگر وہ جو عادتاً اور طبعاً ظاہر ہو جاتے ہیں۔“

اس کے بعد صاحب کشف دوسرے استثناء یعنی ”محارم“ کے فلسفے کی طرف آتے ہیں اور پھر ان آیتوں کے نزول سے قبل عورتوں کی کیفیت کو نقل کرتے ہیں کہ ان کے گریبان کشادہ اور کھلے ہوتے تھے۔ ان کی گردن سینہ اور اطراف کا حصہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ ان کی اور رضی کا انداز بھی اس طرح کا ہوتا تھا کہ اس سے گردن اور سینہ نہیں چھپتا تھا۔

فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں اس بحث کے بعد کہ کیا زینت صرف مصنوعی زیبائش کو کہا جاتا ہے یا فطری زیبائش بھی اس میں شامل ہے خود ہی دوسری رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں: فقال کی طرح فطری زیبائی مراد لینے والوں کا خیال ہے کہ آتشکار زینت سے مراد عورتوں میں چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ اور مردوں میں چہرہ دونوں ہاتھ اور دونوں بزمیں۔ فقال کے خیال کے مطابق چونکہ ضرورت معاشرت اس بات کی متقاضی ہے کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ کھلے رہیں اور شریعت اسلام ایک سہل اور آسان شریعت ہے اس لیے چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا گیا۔۔۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے زینت کو مصنوعی امور پر معمول کیا ہے ان کا خیال ہے کہ ظاہرہ زینت سے مراد چہرے اور ہاتھوں سے متعلق سنگھار اور سجاوٹ ہے اور اس استثناء کا سبب یہ ہے کہ انکا چھپانا عورت کے لیے دشوار امر ہے۔ اس کو کسی شے کو اٹھانے کے لیے ہاتھوں کا

استعمال کرنا ہی پڑتا ہے اور گواہی، مقدمات اور شادی کے مواقع پر بھی اس کے لیے چہرہ کھولنا ناگزیر ہے۔

اس استثناء کے بارے میں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بہت زیادہ پوچھا گیا ہے اور انہوں نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ چنانچہ ہم کتب حدیث سے چند روایتیں پیش کرتے ہیں۔ غالباً تفسیر صافی میں بھی ان دونوں روایتوں کو نقل کیا گیا ہے اور ان میں بظاہر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

۱۔ عن زرارة عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قوله تعالیٰ: "الا

ما ظہر منها" قال الزینة الظاہرہ الکحل والنخاتم ۱۰

یعنی امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ وہ آشکار زینت جس کا

عورت کے لیے چھپانا واجب نہیں کیا ہے؟

آپ نے فرمایا وہ سرمہ اور انگوٹھی ہے۔

۲۔ عن علی بن ابراہیم القمی عن ابی جعفر علیہ السلام فی

ہذا الایہ، قال: ہی الثیاب والکحل والنخاتم وخصاب

الکف والسوا۔ والزینة ثلث: زینة للناس وزینة

للمحرم وزینة للزوج، فاما زینة الناس فقد ذکرناھا

واما زینة المحرم فموضع الضلوة فما فوقھا والدملج

وما دوتہ والخلخال وما اسفل منه، فاما زینة الزوج

فالجسد کلہ ۱۱۔

۱۰ کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۱ اور "وسائل" جلد ۳۔ صفحہ ۲۵

۱۱ تفسیر صافی۔ سورہ نور، آیت ۳۱ کے ذیل میں۔ نقل از تفسیر علی بن ابراہیم قمی

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ظاہر ازینت لباس، سرمہ، انگوٹھی، مہندی اور چوڑیوں سے عبارت ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا زینت تین قسم کی ہیں: ایک تمام لوگوں کے لیے ہے اور وہ بھی ہے جسے ابھی ہم کہ چکے ہیں۔ دوسری محرموں کے لیے ہے اور وہ گلوبند سے اوپر بازو بند اور یازیب سے نیچے کی جگہ ہے۔ تیسری زینت کا تعلق شوہر سے ہے اور وہ عورت کا پورا بدن ہے۔

۳۔ ابی بصیر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال سلطتہ عن قول اللہ عزوجل: ولا یبدین زینتھن الا ما ظہر منها۔ قال الخاتم والمسکد وھی القلب

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے "الما ظہر" کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا وہ انگوٹھی اور کنگن سے عبارت ہے۔

۴۔ عن بعض اصحابنا عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت له ما یصل للرجال من المرئ ان یری اذا المرئین محوما قال الوجه والکفان والقدمان

ترجمہ: راوی جس کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مرد محرم نہ ہونے کی صورت میں عورت کے جسم کے کس حصے کو دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں پیر۔

یہ روایت عورت کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے کے حجاز سے متعلق ہے نہ ان کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے اور یہ دونوں ایک

دوسرے سے الگ مسئلے ہیں لیکن ہم بعد میں عرض کریں گے کہ اشکال زیادہ تر جو از نظر میں ہے نہ پوشیدگی کے عدم وجوب میں۔ اگر نظر ڈالنا جائز ہو تو بطریق اولیٰ چھپانا واجب نہیں۔ ہم اس کے بارے میں آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

۵۔ حضرت ابو بکر کی بیٹی اسماء جو حضرت عائشہ کی بہن تھی، ایسا لباس پہن کر رسول خدا کے گھر آئی کہ جس سے اس کا جسم جھلکتا تھا۔ رسول خدا نے اپنا چہرہ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا:

”یا اسماء ان المسواہ اذا بلغت المحیض لم تفضلہ ان یروی

منہ الا ہذا و ہذا۔ و اشارتی کفہ و وجہہ۔“

یعنی لے اسماء، عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی دے۔ مگر یہ اور یہ۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور کلائی سے نیچے دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔

یہ روایات ابن عباس، ضحاک اور عطاء کے نظریہ سے منطبق ہیں۔ اس

میں ابن مسعود منقر وہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زینت سے مراد ظاہر لباس ہے۔

بنیادی طور پر ابن مسعود کا نظریہ قابل توجہ نہیں اس لیے کہ خود بخود آنکھ

ہونے والا لباس وہی ہے جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ نیچے پہنا جانے والا لباس ظاہر

ہے دیکھا نہیں جاتا۔ اس صورت میں اس کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا کہ عورتیں اپنی

زیبتوں کو آشکار نہ کریں۔ مگر وہ لباس جو اوپر پہنا جاتا ہے۔ اوپر پہنا جانے

والا لباس قابل اخفاء نہیں ہے جسے استثناء کیا جائے لیکن اس کے برعکس

وہ تمام چیزیں جو ابن عباس، ضحاک اور عطاء کے جملوں میں شیعہ روایتوں

میں پائی جاتی ہیں، یہی وہ زمینیں ہیں کہ جن کے ڈھانکے جانے کے بارے میں حکم دیا جاسکتا ہے۔

بہر حال یہ روایتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ عورت کے لیے چہرہ اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں اور ان حصوں پر سرمہ اور مہندی اور ان آرائشوں کے دکھائی دینے میں بھی کوئی اشکال نہیں جو عورت کی خصوصیات میں سے ہیں۔

ابنتہ یہ بات عرض کر دوں کہ میں نے اس مسئلہ کو اپنی نظر سے بیان کیا ہے۔ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے مراجع تقلید کے فتویٰ پر عمل کرے۔ ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے وہ بعض مراجع تقلید کے فتویٰ کے مطابق ہے۔ مگر ممکن ہے بعض مراجع کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہ ہوں اگرچہ اس کی مخالفت پر مبسوطی کوئی فتویٰ موجود نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ بطور صریح نہیں بطور احتیاط ہے اس گفتگو سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ اساس اسلام کے نزدیک ہو کر واقفیت حاصل کریں۔

ہم سب جانتے ہیں کہ آج معاشرے کا ایک بڑا حصہ جو اپنے آپ کو روشن فکر کہلاتا ہے، اسلام کو خاص طور پر عورتوں سے متعلق مسائل میں منفی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اسلام کیا کہتا ہے۔ اسے اسلام کے اجتماعی فلسفے سے آگاہی نہیں اور اسی لیے اس کی منفی سوچ سوتی صدیے بنیاد ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی میں عملاً پروے اور پاکدامنی کے قائل نہیں بلکہ اسلام کے فلسفہ حجاب اور اس کی منطق سے آشنائی نہ ہونے کے سبب اسے خرافات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم نوع بشر کی بدبختی کا سبب ہے اور یہی فکر اسلام سے ان کی دوری اور بیگانگی بلکہ لاتعلقی کا سبب بنی ہے۔

اگر صرف عمل نہ کرنے اور شہوات کی پیروی کی صورت ہوتی تو پھر بھی بات آسان تھی مگر یہاں تو انکار اسلام اور بے اعتقادی کا مسئلہ ہے۔ آپ پر لازم ہے

کہ اسلام کے معاشرتی فلسفہ سے بہت قریب ہو کر آشنائی حاصل کریں تاکہ ایسے
اشخاص سے ٹکرائیں آپ انہیں جواب دے سکیں۔

ظاہر ہے کہ صرف عملیہ کے رسالوں کا پڑھ لینا اور اس مقصد کے لیے
اصل فتوؤں کا سے آگاہی حاصل کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس منزل پر باعتبار نقل
معاشرتی فلسفہ کے پہلو سے بھی ایک استدلالی بحث کی ضرورت ہے اور اسی وجہ
سے ہم پر لازم ہو گیا ہے کہ اس موضوع پر دلائل و اسناد کے ساتھ استدلالی
بحث کریں۔

لیکن اس بارے میں کہ عورت اپنے محارم کے سامنے کس حد تک پردہ
نہ کرنے کا حق رکھتی ہے، مختلف روایات اور فتاویٰ ہیں۔ ان روایتوں اور بعض
فقہاء کے فتوؤں سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ عورت کو ما سوائے شوہر کے دیگر محارم
کے سامنے ناف سے زانو تک کا پردہ رکھنا ضروری ہے۔

معیار پردہ

اس استثناء کے بعد بُيَضْرِبِينَ بِخُمْرٍ هِنَّ عَلَى جَبُوهِنَّ كَأَجْدِ
آیا ہے۔ یعنی انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینے اور گریبانوں پر ڈالے
رہیں۔ البتہ دوپٹہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مقصد سرگردن اور گریبان کا
ڈھانپنا ہے جسے ہم پہلے بھی تفسیر کشاف کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔
عرب عورتیں عام طور پر ایسے کرتے پہنا کرتی تھیں جن کے گریبان کھلے ہوا
کرتے تھے جن میں سے ان کی گردن اور سینہ نمایاں ہوتا تھا۔ جو کپڑا وہ دوپٹہ
کے طور پر اوڑھتی تھیں وہ بھی سر کے پیچھے سے کاندھوں پر اس طرح ڈالا جاتا
تھا کہ اس سے کان، سینہ اور گردن سب کے سب نمایاں رہتے تھے۔ یہ

آیت حکم دیتی ہے کہ وہ سر پر اوڑھے ہوئے اسی دوپٹے کے دونوں ٹکے ہوئے حصول کو اپنے سینے اور گریبان پر اس طرح ڈالیں کہ بدن کے مذکورہ حصے اچھی طرح چھپ جائیں۔

ابن عباس نے اپنی تفسیر میں یہ جملہ کہا ہے:

تغطی شعرھا و صدرھا و ترا بٹھا و سوا الفھا۔ لہ

یعنی عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے بال، سینہ، گردن اور اطراف گردن کے ڈھانپے رہے۔ یہ آیت بدن کے ان حصوں کو مشخص کرتی ہے جنہیں ڈھنپنا چاہیے۔ اس آیت کے ذیل میں اہل تصنیع اور اہل تشن دونوں نے روایت کی ہے کہ:

”ایک دن مدینہ کے گرم موسم میں ایک خوبصورت نوجوان عورت

ایک شرک پر اس طرح جا رہی تھی کہ اس کا دوپٹہ وہاں کے معمول

کے مطابق گردن کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اس کی گردن اور کان نمایاں

تھے۔ اصحاب رسولؐ میں سے ایک صحابی سامنے سے آرہے تھے۔

اس خوبصورت منظر نے انہیں بہت متاثر کیا اور وہ اسے دیکھنے

میں ایسے محو ہو گئے کہ انہیں اپنی خبر رہی اور نہ ماحول کی وہ بڑی

دیر تک نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے رہے اور پھر ایسی فکر

میں دنیا و مافیہا سے بے خبر آگے بڑھ گئے۔ اس بے خیالی میں

اچانک دیوار سے باہر نکلی ہوئی کسی ہڈی یا شیشے سے انکا چہرہ

بری طرح زخمی ہو گیا۔ جب وہ اپنے آپ میں آئے تو انکے چہرے

سے خون بہ رہا تھا۔ وہ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لہ مجمع البیان - سورہ نور کی آیت ۲۱ کے ذیل میں۔

کے حضور پہنچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ ابْصَارِهِمْ.....الٰہی آخر!

اس آیت میں ذَلُّوا یعنی بھٹنے سے بچو، غَضُّوا یعنی غم سے بچو، اور ابصار یعنی نگاہوں کی لغوی ترکیب یعنی لفظ ”علی“ کے ساتھ لفظ ”ضرب“ کی ترکیب کسی چیز کو دوسری چیز پر اس طرح رکھ دینے کے مفہوم کو پیش کرتی ہے کہ وہ شے دوسری شے پر مائع و حاجب بن جائے۔

صاحب تفسیر کشاف کہتے ہیں: ”ضربت بغمارھا علی جیبھا کقولک ضربت بیدی علی الحائط اذا وضعتها علیہ۔“

۱۔ کافی جلد ۵۔ صفحہ ۵۲۱۔ وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۲۲۲۔ تفسیر صافی اور تفسیر درمنثور، سبوطی جلد ۵۔ صفحہ ۲۰۔ پر اسی آیت کے ذیل میں اس واقعہ کو درج کیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کان، سینہ اور اطراف گردن کھول کر چلنے والی خاتون اور رسول خدا کے صحابی کی شہوت آلود نگاہوں سے متعلق اس حدیث کو عام طور پر محدثین اور مفسرین نے ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا.....“ کی آیت کے شان نزول کے باب میں لکھا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے یہ آیت ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ ابْصَارِهِنَّ“ سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ حالانکہ یہ دونوں آیتیں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور جس طرح پہلی آیت مرد کی نگاہوں سے متعلق فریضے کو ظاہر کرتی ہے، دوسری آیت ”وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِغُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ“ عورتوں کے فریضے کو بیان کرتی ہے۔ بظاہر یہی سبب ہے کہ تفسیر صافی میں اس حدیث کو دوسری آیت کے ذیل میں نقل کیا گیا ہے اور یہاں اس حدیث سے متعلق ہمارے استدلال کی بھی بنیاد ہے۔

یعنی یہ تعبیر ایسی ہے جیسے ہم کہیں کہ ہم نے اپنا ہاتھ دیوار پر رکھا۔
تفسیر کشاف میں پھر سورہ کثف کی گیارھویں آیت کے ذیل میں "نضربنا
علا اذ انظر" کی منزل پر صاحب تفسیر نے لکھا ہے :

"ای ضربنا علیہا حجابا من ان نسمع" یعنی ان کے کانوں پر
ہم نے ایک پردہ قرار دیا ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔

موضوع بحث آیت کے سلسلے میں صاحب تفسیر مجمع البیان نے لکھا
ہے : عورتوں کو یہ امر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سر کی چادر کو اپنے سینوں پر اس
طرح ڈال دیں کہ ان کے گردن کے اطراف کا حصہ ڈھکا رہے۔ ہم یہ کہہ چکے ہیں
کہ اس دور کی عورتیں اپنے سر کی چادر یا اوڑھنی کو اپنے سر سے پیچھے کی طرف
ڈالا کرتی تھیں۔ لفظ "جیوب" جو گربان کے مفہوم میں ہے "سینوں" کی طرف
کنایہ ہے کیونکہ گربان ہی سینوں کو ڈھانکتا ہے اور یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ
عورتیں اپنے بندوں، بالوں اور گردنوں کو چھپائے رہیں۔ ابن عباس اس آیت
کے ذیل میں کہتے ہیں : عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بال، سینے اور
گردن کے نچلے حصے کو پوشیدہ رکھے۔

تفسیر صافی میں بھی "دلیض بن بخرم عن علا جیوبہن" کے جملے
کے بعد لکھا ہے : اس لیے کہ گردنیں پوشیدہ رہیں۔

بہر حال مراد یہ ہے کہ یہ آیت بڑی وضاحت کے ساتھ عورت کے پرے
کے واجب حدود کو ظاہر کرتی ہے۔ سنی اور خاص طور پر شیعہ تفسیر اور روایات مکمل
طور پر موضوع کو واضح کرتی ہیں اور آیت کے مفہوم میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

دوسرا استثناء

”ولا یبیدین زینتھن الا لبعو لنتھن۔ الخ“ یعنی اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کریں، مگر اپنے شوہروں..... وغیرہ وغیرہ کے لیے۔

پہلے استثناء نے زینت کی اس مقدار کو معین کیا جس کا عام افراد پر نمایاں ہونا جائز ہے لیکن دوسرے استثناء نے چند معین افراد کے نام لیے جن پر زینتوں کا ظاہر کرنا جائز ہے۔ پہلے استثناء میں اس کا دائرہ باعتبار مقامات بدن محدود یا تنگ اور باعتبار افراد محدود اور وسیع ہے اور دوسرا استثناء اس کے برعکس ہے۔ آیت میں آنے والے بیشتر افراد وہی ہیں جنہیں فقہی اصطلاح میں محارم کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح ہیں:

”اے رسول! ایماندار عورتوں سے بھی کہدو کہ وہ بھی اپنی نظر میں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے بناؤ سنگھار کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے اس کا گناہ نہیں اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ اپنے شوہروں، اپنے باپ داداؤں، اپنے شوہروں کے باپ داداؤں، اپنے بیٹوں یا اپنے شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں یا لونڈیوں اور اپنے گھر کے وہ نوکر جو بہت بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں سے کوئی مطلب نہیں رکھتے یا وہ کمسن لڑکے جو عورتوں کے راز کی باتوں سے آگاہ نہیں ہیں، ان کے سوا اپنا بناؤ سنگھار کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔ وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ رکھیں کہ لوگوں کو ان کے پوشیدہ بناؤ سنگھار کی خبر ہو جائے۔ اے ایماندارو! تم سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ کرو کہ تم فلاح پاؤ۔“

- ۱- لبعولتھن اپنے شوہروں
 ۲- او آبائھن باپ داداؤں
 ۳- او آباء لبعولتھن شوہروں کے باپ داداؤں
 ۴- او ابنائھن اپنے بیٹوں
 ۵- او ابناء لبعولتھن اپنے شوہروں کے بیٹوں
 ۶- او اخوانھن اپنے بھائیوں
 ۷- او بنی اخوانھن اپنے بھتیجوں
 ۸- او بنی اخواتھن اپنے بھانجوں
 ۹- او نسائھن اپنی عورتوں
 ۱۰- او ماملکت ایمانھن اپنی لونڈی غلاموں
 ۱۱- او التابیین غیر اولی وہ مرد جنہیں عورتوں کی حاجت نہیں
 الدربہ
 ۱۲- او الطفل الذین لہ جنسی امور سے ناواقف یا اس پر قدرت
 بیظہودا عورت النساء نہ رکھنے والے بچے
 مذکورہ افراد میں سے آخری چار محارم قابل ذکر ہیں:

۲- اپنی عورتیں (نسائھن)

اس لفظ میں تین احتمال ہیں:

- ۱- اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ آیت کا مفہوم اس قول کی بنا پر یہ ہے کہ غیر مسلم عورتیں نامحرم ہیں اور مسلمان عورتوں کو انکے سامنے کھل کر نہیں آنا چاہیے۔

۲۔ اس سے مراد مطلق عورتیں ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

۳۔ اس سے مراد گھر میں ملازمہ کے طور پر کام کرنے والی عورتیں ہیں۔ گویا ہر

عورت گھر کی عورتوں کے علاوہ باقی تمام عورتوں کے لیے نامحرم ہے اور

یہ احتمال غیر قابل یقین ہے اس لیے کہ یہ بات مسلمات نیز ضروریات اسلام

سے ہے کہ ہر عورت دوسری عورت کے لیے محرم ہے۔

دوسرا احتمال بھی ضعیف ہے کہ اس احتمال میں ضمیر کی طرف ”نساء“ کے

اضافے کے لیے کوئی نکتہ موجود نہیں ہے لیکن پہلے احتمال کے مطابق اس اضافہ

میں نکتہ یہ ہے کہ کافر عورتیں غیر اور بیگانہ ہیں اور وہ ان میں سے نہیں ہیں۔

درحقیقت پہلا احتمال محکم ترین احتمالات میں سے ہے اور ایسی روایتیں

بھی ملتی ہیں جن میں مسلمان عورتوں کو یہودی اور نصرانی عورتوں کے سامنے برہمنہ

ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ ان روایات میں استناد ہوا ہے کہ ممکن ہے غیر مسلم

عورتیں مسلمان عورتوں کے حسن کا اپنے شوہروں یا بھائیوں سے تذکرہ کریں:

” لا نهنن قد یصفن لاذواجنهن و اخوانهن“

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں ہے

کہ وہ دوسری عورتوں کی زیبائیوں کو اپنے شوہر کے لیے بیان کرے۔ یہ قانون

مسلمان عورتوں کو ایک دوسرے کے سامنے محفوظ رکھتا ہے لیکن غیر مسلمان

عورتوں کے لیے یہ مسئلہ ناقابل اطمینان ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے مسلمان

عورتوں کے حسن کو ظاہر کرے لہذا مسلمان عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو

ان سے پوشیدہ رکھیں لیکن پھر بھی آیت نے مکمل طور پر اس بات کی صراحت نہیں کی

ہے کہ ان کے سامنے بناؤسٹکھارا اور خوبصورتی کا اظہار حرام ہے۔ لہذا دیگر دلائل

اور قرآن سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے۔ عام طور پر فقہاء اس مسئلہ

میں غیر مسلمان عورت کے سامنے مسلمان عورت کے پردے کے قائل نہیں بلکہ

وہ صرف پردہ نہ کرنے کی کراہت پر فتویٰ دیتے ہیں۔

ب۔ اپنے کینز و غلام

اس جملے میں دو باتوں کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اس سے مراد صرف کینزیں ہیں اور دوسرے یہ کہ مراد مطلق طور پر مملوک ہے جس میں کینزوں کے ساتھ غلام بھی شامل ہیں۔ اس مقام پر روایات اس دوسری تفسیر کی تائید کرتی ہیں مگر فقہاء کے فتوے اس سے ہم آہنگ نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک عراقی شخص مدینہ آیا اور امام جعفر صادقؑ کے حضور شرفیاب ہوا۔ گفتگو کے دوران جب اہل مدینہ کی بات درمیان میں آئی تو اس شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ لوگ اپنی عورتوں کو غلاموں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور سوار ہونے کے وقت غلاموں سے مدد لیتے ہیں۔ مثلاً غلاموں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کے بعد آپ نے اسی موضوع سے متعلق سورہ احزاب کی آیت ۵۵ کی یوں تلاوت کی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا
 إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ
 وَلَا نِسَاءَ آبَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ۔

یعنی اپنے باپ، دادا، بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، خواتین اور
 لونڈی غلاموں کے باب میں عورت کے لیے کوئی حرج
 نہیں ہے۔

کینز ہو یا غلام، اسلام بعض احکامات میں ان کے ایسے استثناء کا قائل ہے۔ مثلاً پرہیز اور حرمت نظر کے اعتبار سے کینزوں اور آزاد عورتوں میں بڑا فرق ہے۔ کینزوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے سر ڈھانپیں حالانکہ آزاد عورتوں پر سر کا ڈھانپنا واجب ہے۔ ظاہراً اس کا سبب ان کی خدمت گاری ہے اور بعید نہیں کہ غلام بھی اسی طرح کا استثناء رکھتے ہوں۔

تاہم جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں فقہاء کے فتوؤں کے اعتبار سے یہ حکم بعید ہے لیکن دوسری طرف سے "ادھا مملکت ایما نھن" کے جملے کو بطور خاص کینزوں پر محمول کرنا بھی دُور از فہم ہے۔

اگر ہم مملوک کے استثناء کو صرف کینزوں کے لیے منحصر کریں تو کہنا پڑے گا کہ آزاد عورتیں ایک دوسرے کے لیے مطلق محرم ہیں لیکن کینز آزاد عورتوں کے لیے محرم نہیں ہے مگر وہ آزاد عورت جو اس کی مالکہ ہو اور جب ہم اس بات کو اس فتوے میں اضافہ کریں جس میں کہا گیا ہے کہ بہت سے فقہاء نے کینزوں کے لیے پردہ کو غیر مردوں کے سامنے بھی واجب نہیں جانا ہے تو بڑا عجیب نتیجہ برآمد ہوگا۔ وہ یہ کہ کینز تمام مردوں کے لیے محرم ہے اور آزاد عورتیں تمام کینزوں کے لیے نامحرم ہیں۔ گویا کینز اس حکم میں مردوں کی صف میں داخل ہو جائے گی اور یہ صورت سمجھی درست نہیں ہوگی۔

ج۔ وہ مرد جنہیں عورتوں کی

حاجت نہیں (التابعین غیر اولی الاربابہ)

مسلم طور پر اس جملے میں وہ دیوانے اور عقل سے عاری افراد شامل

ہیں جن میں کوئی شہوت نہیں اور عورت کی کشش محسوس کرنے سے قاصر ہیں بعض افراد نے اس آیت میں زیادہ عمومیت پیدا کی ہے اور ان میں محل سراؤں کے محنتوں کو بھی اس بنیاد پر شامل کر لیا ہے کہ ان میں بھی ٹورتوں کی خواہش نہیں ہوتی۔ گزشتہ دور میں اس فتوے کی بنیاد پر محنتوں اور خواہ سراؤں کو محرم سمجھ کر انہیں حرم سراؤں کی خدمت پر مامور کیا جانا تھا۔

بعض دوسرے افراد نے اس آیت کو اور زیادہ وسعت دیدی ہے اور کہا ہے کہ اس میں نقرہ اور مساکین بھی شامل ہیں۔ جو لوگ روٹی کے ایک ٹوالے کے لیے محتاج ہیں اور طبقاتی فاصلے کے اعتبار سے بھی ان میں بہت دوری پائی جاتی ہے، ہرگز جنسی مسائل کی فکر انہیں لاحق نہیں ہوتی۔

لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں اس قدر وسعت غیر تحقیقی ہے دراصل اس میں وہی پہلے طبقے کے افراد آتے ہیں اور اگر ہم اسے زیادہ عمومیت دینا چاہیں تو زیادہ سے زیادہ دوسرے طبقے کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔

جنسی امور سے ناواقف یا

اس پر قدرت نہ رکھنے والے بچے

(الطفل الذین لم یظہروا علی عورات النساء)

اس حصے کی بھی دو طرح سے تفسیر کی جاسکتی ہے ”لم یظہروا“ کا جملہ ظہور کے مادے سے ہے اور ”علی“ کے جملے نے اسے متعدي بنا دیا ہے۔ ممکن ہے ان دونوں لفظوں کی ترکیب ”اطلاع“ کا مفہوم پیش کرے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: وہ بچے جو عورتوں کے پوشیدہ راز سے واقف

نہیں اور ممکن ہے اس سے ”غلبہ اور قدرت“ مفہوم لیا جائے۔ ایسی صورت میں مراد یہ ہوگا: ایسے بچے جو عورتوں کے پوشیدہ امور سے استفادہ پر قدرت نہیں رکھتے۔

پہلے احتمال کے مطابق نا سمجھ بچے مراد ہیں جن میں ایسی باتوں پر دھیان دینے کی صلاحیت نہیں لیکن دوسرے احتمال کے مطابق وہ بچے مراد ہیں جو حسنی امور پر قادر نہیں اور ہم انہیں نابالغ بچے کہہ سکتے ہیں۔ ہر چندان میں تیز پیدا ہو گئی ہو۔ دوسرے احتمال کے مطابق وہ بچے جو سب کچھ سمجھتے ہیں اور ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں اس استثناء میں شامل ہیں اور فقہاء کے فتوے بھی اسی تفسیر کے مطابق ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ”ولا یضربن بارجلہن لیعلم ما یخفی عن زینتہن“ یعنی عورتیں اپنی زینتوں کے اظہار کے لیے زمین پر پاؤں مار کر نہ چلیں۔

عرب عورتیں عام طور پر پازیب ہینتی تھیں اور یہ بتانے کے لیے کہ انہوں نے قیمتی پازیب پہن رکھا ہے اپنے پیر کو زور سے زمین پر مار کر چلا کرتی تھیں۔ آیت کریمہ نے انہیں اس امر سے روکا اور اس کی نہی فرمائی۔

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ تیز خوشبو اور پرکشش آرائش جیسی ہر وہ چیز جو مردوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے عورت کے لیے ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اصولی طور پر عورتوں کو معاشرے میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو مردوں کی تحریک و تہیج کا باعث ہو یا نامحرم لوگ اس عمل سے ان کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں دلچسپی لیں۔ آیت کا آخری جملہ ہے: ”ولو لوانی اللہ جمیعاً ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون“

یعنی اے اللہ کے مومنو! تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو
 تاکہ تمہیں فلاح اور رستگاری حاصل ہو۔

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ تمام احکامات کے بعد لوگوں کو اللہ کی
 طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ احکامات پر عمل پیرا ہونے میں سہل انگاری سے
 کام نہ لیں۔

دیگر آیتیں

سورۃ نور کی ۵۸-۵۹ اور ۶۰ آیتیں بھی انہی مباحث سے متعلق
 ہیں۔ ہم ان کی بھی تفسیر پیش کریں گے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا يَسْتَأْذِنُكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ
 أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ
 ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ
 ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ
 ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
 جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ط طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى
 بَعْضٍ ط كَذَلِكَ يبينُ اللهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ
 عَلِيمٌ حَكِيمٌ - وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ الْحُلُمَ
 فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَذَلِكَ
 يبينُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ -
 وَأَنْقَوْا أَعْدَاءَ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا
 فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ

مَتَّبِعْتِ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اے صاحبانِ ایمان! لازم ہے کہ تمہاری نوذی، غلام اور جوتم
میں ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تم سے ملنے کے لیے تین موقعوں
پر اجازت طلب کریں: نماز فجر سے پہلے، دوپہر جب تم (قبولہ کے
لیے) اپنے لباس اتار دیتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد۔
یہ تینوں تمہارے تخلیے کے وقت ہیں۔ ان تینوں وقتوں کے علاوہ
بلا اجازت آنے جانے میں تمہارے ذمہ کوئی الزام ہے نہ ان
کے ذمہ، اور تم ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہو۔ اللہ
اس طرح تمہارے لیے احکام کھول کر بیان کرتا ہے، خداوند عالم
بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اور جب تمہارے بچے بالغ ہو جائیں تو ان پر بھی لازم ہے کہ
تمہاری خلوت گاہ میں آنے کے لیے دوسروں کی طرح اجازت
طلب کریں۔ خداوند عالم اپنی آیتوں کو اس طرح کھول کر بیان
کرتا ہے اور اللہ صاحبِ علم و حکمت ہے۔

وہ سن رسیدہ عورتیں جن کو نکاح کی امید باقی نہ ہو تو ان کے
لیے اس صورت میں برقع اتار دینے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ
بناؤ سنگھار کے عالم میں نہ ہوں اور قصد خود نمائی نہ رکھتی ہوں،
لیکن اگر وہ برقع اتار دینے سے باز رہیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے،
اور خداوند عالم سننے اور جاننے والا ہے۔

ان آیتوں میں دو استثناء ہیں۔ ایک کمرے میں داخل ہونے سے پہلے

طلب اجازت کا دستور اور دوسرے عورتوں کے پردے کا اصول پہلی اور دوسری آیت پہلے استثناء اور تیسری آیت دوسرے استثناء سے متعلق ہے۔

ہم پہلے اس حکم کی توضیح کر چکے ہیں کہ جو کوئی کسی خلوت کمرہ میں داخل ہونا چاہے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ پہلے اجازت طلب کرے اور ہم اس میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ حکم قریبی محارم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ان آیتوں میں دو طبقے اس دستور سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دو طبقوں کے لیے صرف تین وقتوں میں طلب اجازت ضروری ہے مگر دوسرے اوقات میں وہ آزاد ہیں اور وہ دو طبقے یہ ہیں:

۱- الذین ملکتم ایہانکم تمہارے کینز و غلام

۲- الذین لم یبلغوا الحلم منکم تمہارے نابالغ بچے

وہ تین وقت جس میں یہ دو گروہ طلب اجازت کے پابند ہیں ان اوقات سے عبارت ہیں: نماز فجر سے پہلے، دوپہر جب لوگ گرمی کی خاطر اپنا اوپری لباس اتار کر سستاتے ہیں اور نماز عشاء کے بعد جو سونے کا وقت ہوتا ہے۔

ان مواقع پر بالعموم مرد و زن سونے کے مخصوص لباس میں ہوتے ہیں اور چونکہ وہ باہمی (قبل نماز صبح) سو کر اٹھے ہوتے ہیں اور ان کا لباس مکمل نہیں ہوتا اس لیے کینزوں، غلاموں اور نابالغ بچوں کو طلب اجازت کے ساتھ کمرے میں داخل ہونا چاہیے لیکن دوسرے مواقع پر کثرت آمد و رفت کے سبب ”طوافون عبیکم بعضکم علی بعض“ طلب اجازت کی ضرورت نہیں۔ ان آیتوں میں ہم تین نکتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱- ”الذین ملکتم ایہانکم“ جمع مذکر کے لیے استعمال ہونے والے موصول کے ساتھ ”الذین“ کا ذکر عمل میں آیا ہے جو حتمی طور پر غلاموں کے شامل حال ہوتا ہے اور تفسیر اور روایتوں میں بھی اس کی تصریح

موجود ہے۔ کافی میں امام جعفر صادقؑ سے جو روایت منقول ہے، اس میں آپ فرماتے ہیں: قال، هي خاصة في الرجال دون النساء قيل فالنساء يستأذن في هذه الثلث ساعات؟ قال لا ولكن يدخلن ويخرجن۔

یعنی تین مواقع پر طلب اجازت کا دستور مردوں سے مخصوص ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا عورتوں کے لیے اجازت ضروری ہے؟ فرمایا نہیں۔ یہ اسی طرح آتی اور جاتی رہیں گی۔

غلاموں کا ان تین مواقع سے ہٹ کر عورت کے کمرے میں داخل ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ غلام استثنائی کیفیت کے حامل ہیں اور یہ خود اس کو ظاہر کرتی ہے کہ ”ما ملکت ایماننھن“ کے جملے میں غلام بھی شامل ہیں اور ہم پر دسے کی آیت میں پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ اب اس آیت میں بھی (ضمیر مذکور کے ساتھ) ”ملکت ایمانکم“ سے تعبیر ہوتی ہے۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ غلام خود عورت کا مملوک ہو۔

یہاں یہ اعتراض نہیں اٹھانا چاہیے کہ اب تو غلامی کی رسم منسوخ ہو چکی ہے اور ان جگہوں میں الجھنا بے سود و بے ثمر ہے، اس لیے کہ اولاً ان مسائل میں اسلام کا نقطہ نظر مجموعی طور پر ہمیں اسلامی قوانین سے آشنا کرنا ہے۔ ان میں ایسے قوانین بھی ہیں جو بحث و تکرار کی منزل میں ہیں اور ثانیاً اگر کوئی جرأت مند فقہیہ اقدام کرے تو ممکن ہے غلاموں کے حکم کو ملکیت کی راہ سے مشابہت کی بنا پر ملازموں کی طرف موڑ دے۔

۲۔ ”طوافون علیکم بعضکم علی بعض“ کے جملے سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ غلاموں اور نابالغ بچوں کو طلب اذن سے چھوٹ ان کی کثرت آمد و رفت کی بنا پر بے کربار بار کا استیذان کام میں حرج اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

درحقیقت ان موارد میں استثناء کا سبب یہی ہے کہ یہاں پابندی دشواری کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں ملکیت کا کوئی دخل نہیں۔

ہمارے خیال میں چہرہ، ہتھیلیاں اور پردے سے متعلق تمام استثناءات اور اسی طرح استثناء عمارم بھی اسی زمرہ میں ہیں۔ اس موضوع پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے مگر ہم جلد ہی زیادہ وضاحت سے اس کی تشریح کریں گے۔

۳۔ اس آیت میں دوسرے بالغ مردوں کی طرح تین وقتوں میں اجازت طلب کرنے پر مکلف کیے گئے وہ بچے ہیں جو ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے ہیں۔ اس بنا پر نابالغ اطفال، خواہ وہ سمجھدار اور سن بلوغ کے قریب ہی کیوں نہ ہوں آیت میں معین شدہ ان تین وقتوں کے علاوہ بغیر اجازت خلوت گاہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

یہ آیت بظاہر اس بات پر دلیل بن سکتی ہے کہ پردے سے متعلق آیت میں ”والطفل الذین لم یظہروا علی عورات النساء“ کے جملے سے مراد ناگھٹتیں بلکہ نابالغ بچے ہیں اور ہم نے پہلے بھی اس کے مفہوم میں دو احتمال پیش کیے ہیں۔ پردے کے مسئلہ سے متعلق پہلا اور دوسرا استثناء اسی سورہ کی آیت ۳۱

میں مذکور ہے۔ یہ تیسرا استثناء ”والنقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیہن جناح...“ کی آیت ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے:

وہ سن رسیدہ عورتیں جنہیں اب شادی کی کوئی امید نہیں ہے وہ اپنا
برقع اتار سکتی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان کا مقصد خود نمائی اور خود آرائی نہ
ہو لیکن اگر وہ اپنی پاکدامنی کا خیال رکھتے ہوئے پردہ کی رعایت کر لیں تو یہ
ان کے حق میں بہتر ہے اور خداوند عالم سنبھلے اور جاننے والا ہے۔

”قواعد“ سے مراد کون ہیں؟ وہ ضعیف عورتیں جو جنسی اعتبار سے مرد
کی مطلوب نظر نہیں ہوتیں اور اسی لیے انہیں اپنی شادی کی امید نہیں رہتی۔
ممکن ہے ان میں شادی کی طمع باقی ہو مگر امید نہیں ”ان یضعن ثیابھن“
کا جملہ بتاتا ہے کہ عورت کے دو لباس ہیں۔ ایک باہر جانے کا پہناؤ اور دوسرے
گھر کا لباس۔ سن رسیدہ عورت کو جس پہناؤ سے کی چھوٹ دی گئی ہے وہ باہر
جانے والا اور پری پہناؤ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں خود نمائی اور
خود آرائی کی اجازت نہیں ہے۔

اسلامی روایات میں بوڑھی عورتوں کے لیے ترک پردہ کے حدود متعین ہیں
اور ان کے لیے مردوں سے اپنی اوڑھنیاں ہٹانے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

الحلی عن ابی عبد اللہ انہ قوا ”ان یضعن ثیابھن“ قال:
الخمار والجلباب۔ قلت بین ید ید من کان؟ فقال: بین ید ید
من کان غیر متبرجہ بزینہ۔ فان لم تفعل فہوا خیر لہا۔
عبد اللہ حلبی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”ان
یضعن ثیابھن“ سے مراد اوڑھنی یا دوپٹہ ہے۔

میں نے عرض کی خواہ کسی کے سامنے کیوں نہ ہو؟ فرمایا ہاں! کسی کے

سامنے کیوں نہ ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ سادگی کے ساتھ ہو اور خود نمائی اور خود آرائی نہ کرنا چاہیے۔

”وان يستغفن خير لهن“ کے جملے سے ایک کلی قانون کو استنباط کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ احکام اسلام کی رو سے عورت پرٹے کی جس قدر مراعات کرے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ پسندیدہ تصور ہوگا اور چہرے اور ہتھیلیوں کو پوشیدہ نہ رکھنے سے متعلق چھوٹ کو جو ضرورت کے تحت از روئے تسہیل دی گئی ہے اس کے تحت کہیں مذکورہ کلی قانون کو قیاموش نہ کر دے۔

ازواج پیغمبرؐ

بنیادی طور پر پردہ سے متعلق وہی سورہ نور کی آیتیں تھیں جنہیں ہم بیان کر چکے ہیں۔ سورہ احزاب کی بھی چند آیتیں ہیں جنہیں اس موضوع کے حاشیے میں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ان آیتوں میں سے کچھ آیات ازواج رسولؐ سے متعلق ہیں اور کچھ کا تعلق ان احکامات سے ہے جو پاکدامنی اور پرہیزگاری کے تحفظ میں وارد ہوئی ہیں۔

اب ہم پہلے ان آیتوں کو پیش کرتے ہیں جو ازواج رسولؐ سے متعلق ہیں:

”يُنْسَأُ النِّبِيِّ لَسُنًّا كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنَّ لَقَيْتِنَّ
فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ
مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ
وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ.....“

(سورہ احزاب - آیات ۳۲-۳۳)

ان دو آیتوں میں ازدواج پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے:
 ”اے رسول کی بیویو! تم دوسری عورتوں کی مانند نہیں ہو۔
 پس اگر تم کو پوپہیز گاری منظور ہے تو (کسی اجنبی) سے نرم
 زبان میں گفتگو نہ کرو کہ جس سے بیمار دل افراد لالچ میں پڑ جائیں
 بس شناسائی کے ساتھ صاف صاف گفتگو کیا کرو اور اپنے
 گھروں میں بیٹھی رہو اور قدیم دور جاہلیت کی طرح خود نمائی
 اور خود آرائی کی کیفیت کے ساتھ باہر نہ نکلا کرو“

اس حکم سے ازدواج پیغمبر کو گھر میں مقید بنا کر رکھنا مقصود نہیں ہے۔
 کیونکہ تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے
 دوران ازدواج کو بھی اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اور انہیں باہر نکلنے سے منع نہیں
 فرماتے تھے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ عورت بغرض خود نمائی گھر سے باہر نہ نکلے
 اور خاص طور پر ازدواج پیغمبر کے بارے میں یہ ذمہ داری زیادہ شدید اور سخت
 ہے۔ سورۃ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

سورۃ احزاب کی آیت

۵۳ کی تشریح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ
 إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَظِيرِ
 إِنْسَاءٍ وَ لَكِنَّ إِذَا وَعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ
 فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ بِحَدِيثِ رَانَ ذَلِكُمْ كَانَ

يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَعِثُّ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَعِثُّ مِنْ أَحَدٍ
 وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَائِهِنَّ حِجَابًا
 ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ
 أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنَاجُواهُ أَوْ ذَا جَهْدٍ
 مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا

یہ پروردگار سبحان کسی بات کا خیال کیے بغیر بے دھڑک رسول خدا
 کے کمروں میں گھس جایا کرتے تھے جہاں آپ کی ازدواج بھی تشریف رکھتی تھیں۔
 آیت نازل ہوئی کہ اولاً تو بلا اطلاع اور بلا اجازت پیغمبر کے گھر میں داخل ہونے
 کی کوشش ہی نہ کرو اور اگر تمہیں دعوت پر بلایا گیا ہے تو ایسے وقت نہ آؤ کہ
 کھانا ملنے کے منتظر ہو بلکہ عین وقت پر آؤ اور جیسے ہی کھانے سے فراغت
 حاصل کرو فوراً متنفر ہو جاؤ اور ادھر ادھر کی باتوں میں نہ لگ جایا کرو کیونکہ
 یہ باتیں پیغمبر کی زحمت کا باعث بنتی ہیں۔ انہیں شرم محسوس ہوتی ہے کہ تمہیں
 چلے جانے کو کہیں لیکن اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا اور تباہی جب تم ازدواج
 رسول سے کچھ لینا چاہو تو تمہیں چاہیے کہ گھر میں داخل ہوئے بغیر پس پردہ رہ کر
 ان سے طلب کرو۔ یہ طریقہ تمہارے اور ان کے قلوب کی پاکیزگی کے لیے
 بہتر ہے۔ تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم ان
 کی ازدواج سے ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک یہ بات بہت
 بڑی برائی ہے۔

اس آیت میں لفظ "حجاب" استعمال ہوا ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں
 کہ قدماء کے ہاں جہاں کہیں بھی آیہ حجاب کی گفتگو ہوئی ہے اس سے ان کی
 مراد یہی آیت رہی ہے۔ اس آیت میں موجود دستور حجاب پردے کے اس

علم سے مختلف ہے جو ہمارا موضوع بحث ہے۔

اس آیت میں ذکر شدہ دستور اس طرز عمل سے متعلق ہے جو انسان کو دوسروں کے گھروں کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے مطابق مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی رہائش گاہ میں داخل ہو بلکہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت بھی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ پس دیوار کھڑے ہو کر اسے طلب کرے۔ اس مسئلہ کا پرے کی بحث سے کوئی ربط نہیں ہے کہ جسے اصطلاح فقہ میں ”حجاب“ نہیں بلکہ ”ستر“ کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

”ذالکم اطہر لقلوبکم و فلوبہن“ کا جملہ سورہ نور کی ۳۱ ویں آیت ”واں یستعففن حیر لہن“ کی طرح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرد اور عورت جس قدر زیادہ ستر پوشی اور پردے کا خیال رکھیں اور آپس کے میل جول سے اجتناب کریں اسی قدر تقویٰ اور پاکیزگی سے قریب ہوں گے اور جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ان رخصتوں، رعایتوں اور سہولتوں کو جو مذہب نے ضرورتاً ہمیں دی ہیں ستر پوشی، پردے اور ترک نظر سے بے توجہی کا سبب نہیں بنتا چاہیے۔

تحفظ عصمت

سورہ اہزاب کی آیات ۵۹-۶۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَائِ
 الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِئِهِنَّ ط
 ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَكَافِيَ ذَٰلِكَ وَكَانَ
 اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔ لَمَّا لَمَّ بَيْنَتَهُ الْمُفْجِقُونَ

وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي
الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ بِهَمِّ شُمَاكٍ مَّجَاوِرُونَكَ
فِيهَا أَكْثَرًا قَلِيلًا

”اے نبی! تم اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں
سے کہدو کہ وہ اپنے جلایب (سر کی چادروں) کو اپنے اوپر
اوڑھ لیا کریں۔ یہ عمل ان کی شناخت، میزان کے اذیت سے
بچنے کے لیے مناسب ہے اور خداوند عالم تو بڑا بخشنے اور رحم
کرنے والا ہے۔

اگر منافق بے ایمان اور وہ لوگ کہ جو شرم میں خوف و ہراس
پیدا کر پڑے ہیں اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان پر
مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ تمہاری ہمسائیگی میں بہت کم مدت
تک رہیں گے۔“

اس آیت میں دو باتوں پر توجہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ ”جلیاب“ کیا
ہے اور اسے اوڑھ لینے کا کیا مطلب ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اس دستور کی علت
اور فائدے کے عنوان سے جو بات کہی گئی ہے کہ ”یہ بات شناخت اور اذیت سے
بچنے کے لیے مناسب ہے“ اس کا مفہوم کیا ہے؟

پہلی بات: اس باب میں کہ جلیاب کس قسم کے لباس کو کہا جاتا ہے،
مفسرین اور لغت کا علم رکھنے والے افراد کی رائے مختلف ہے اور اس بارے
میں صحیح مفہوم کا تعین بہت مشکل ہے۔

صاحب ”المنجد“ لکھتے ہیں: ”القمیص او الثوب الواسع“ یعنی جلیاب
ایک کھلا ہوا لباس یا پیراہن ہے۔

”مفردات راغب“ میں جو قرآن کی شرح لغات سے متعلق بڑی معتبر اور موثق کتاب ہے لکھا ہے: ”الجلباب - القمص والخمر“ یعنی قمیص اور اوڑھنی۔

قاموس کہتا ہے: والجلباب كسر داب و ستمار: القمص وثوب واسع للمراة دون المدخلقة او ما تقطى

به ثيابها من فوق كالمحفلة، او هو الخمار

یعنی جلباب عبارت ہے قمیص اور ایک بڑے اور کشادہ جامے سے جو محاف سے کسی قدر چھوٹا یا خود (چادر کی طرح کا) پتلا محاف ہوتا ہے جس کے ذریعے عورت اپنی پوشاک ڈھانپتی ہے یا پھر اوڑھنی۔

صاحب لسان العرب لکھتا ہے: الجلباب ثوب واسع

من الخمار دون السداء تعطف به المرأة راسها و صدرها

یعنی جلباب اوڑھنی سے بڑا اور عبا سے چھوٹا ایک لباس ہے جس سے

عورت اپنے سر اور سینہ کو چھپاتی ہے۔

کشاف کی عبارت بھی اس مفہوم سے قریب ہے تفسیر مجمع البیان میں جہاں اس لفظ کا مفہوم پیش کیا گیا ہے لکھا ہے:

الجلباب خمار المرأة الذی یغطی راسها و وجهها

اذا خرجت لحاجة

جلباب سر کی اس چادر سے عبارت ہے جس سے خواتین گھر سے

نکلنے وقت اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپتی ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کہتے ہیں

ای قل لہولاء فلیستن موضع الجیب بالجلباب

وهو الملائة التي تشتمل بها المرأة

عورت جو چادر اوڑھتی ہے اس سے اپنا گرمیاب بھی پوشیدہ رکھے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

اور کہا گیا ہے کہ جلباب اوڑھتی سے عبارت ہے اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ آزاد عورتیں گھر سے باہر نکلنے وقت اپنے سروں اور پیشانیوں کو ڈھانپ لیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مفسروں کی آراء سے جلباب کا مفہوم چند واضح نہیں اور جو بات صحیح دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ لفظ جلباب میں ہر قسم کا وسیع و کشادہ لباس شامل ہے لیکن غالباً یہ لفظ سر کی ان چادروں کے لیے استعمال ہوا ہے جو اوڑھنیوں سے بڑی اور رداسے چھوٹی رہی ہیں۔ ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں دو طرح کی چادروں کا رواج رہا ہے۔ ایک چھوٹی چادریں جو گھر میں استعمال ہوتی تھیں جنہیں تمہارا یا مقنعہ کہا جاتا تھا اور دوسری بڑی چادریں (جلباب) جو باہر کے استعمال کے لیے ہوا کرتی تھیں۔ یہ مفہوم ان روایتوں سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں لفظ جلباب آیا ہے، جیسے عبید اللہ علی کی روایت جسے ہم سورہ نور کی ۶۱ آیت کی تفسیر میں نقل کر چکے ہیں، جس کا مضمون یہ تھا: سن رسیدہ عورتوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ”خمار“ اور ”جلباب“ سے کنارہ کر لیں۔ ان کے بالوں پر نگاہ پڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس جملے میں معلوم ہوتا ہے کہ جلباب اس جامہ کا نام ہے جس سے سر کے بال چھپائے جاتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت سے متعلق کافی کی دیگر روایتوں میں امام جعفر صادقؑ

سے وارد ہوا ہے ”الضمار والجلباب اذا كانت المسنة مسنة“ یعنی جب عورت سن رسیدہ ہو جائے تو اس کے لیے ترک چادر جائز ہے۔

اس بنا پر جلباب کو اپنے سے قریب کرنے کا مقصد اس کو اوڑھنا ہے۔ یعنی جب عورتیں گھر سے باہر نکلنا چاہیں تو اپنی بڑی چادروں کو اپنے ہمراہ رکھیں۔ البتہ کسی چیز کو اپنے سے نزدیک کر لینے کے لغوی معنی اس کا پہننا نہیں ہے بلکہ موارد سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب کسی عورت سے یہ کہا جاتا ہے کہ اپنے لباس کو اپنے سے قریب کر لو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے نہ چھوڑو اسے سمیٹ کر ایک طرف نہ رکھو، اسے بے اثر اور بے خاصیت نہ جانو اور اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لو۔ عورتوں میں بڑی چادر کا استعمال دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عادتاً اور رسماً جو آجکل دکھائی دیتا ہے اس چادر سے بدن کا کوئی حصہ نہیں چھپتا۔ اسے یونہی کا ندھوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ چادر اوڑھنے کا انداز ہی یہ بتا دیتا ہے کہ انہیں غیر مردوں سے کوئی پرہیز نہیں اور یہ بھی پرہیز نہیں کہ نا محرم نظر میں ان کا بھر پور جائزہ لے رہی ہیں۔ چادر پوشی کا دوسرا طریقہ اس کے برعکس ہے۔ عورت چادر کو اپنے گرد اس طرح اوڑھتی ہے کہ دیکھنے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایک باعصمت خاتون جا رہی ہے۔ یہ بات خود بخود مردوں کو ان سے دور رکھنے کا سبب ہوتی ہے اور دل میں خیانت رکھنے والوں کو مایوس کرتی ہے۔ ہم بعد میں یہ بتائیں گے کہ اس جملے کے ذیل میں جو تفسیل ہے وہ اسی معنوم کی تائید کرتی ہے۔

اور اب دوسری بات جو اس دستور کی علت اور فائدے کی بحث میں ہے: مفسرین کہتے ہیں: منافقوں کی ایک ٹوٹی شام ڈھیلے گلیوں اور سڑکوں پر کینزوں کو چھیڑا کرتی تھی البتہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کینزوں کے لیے

سر کا ڈھانکنا واجب نہیں رہا ہے۔ کبھی کبھی مزاحمت پیدا کرنے والے یہ بدتماش نوجوان آزاد عورتوں پر بھی آواز سے کتے اور بعد میں ظاہر کرتے کہ ان سے نادانستہ طور پر کینز کے دھوکے میں یہ غلطی سرزد ہوئی ہے لہذا آزاد عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ جلاباب کے بغیر یعنی مکمل لباس کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ کینزوں سے ان کی تخصیص میں آسانی ہو اور وہ مزاحمت سے بچتی رہیں۔

مذکورہ بیان میں گنجائش اعتراض ہے کیونکہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کینزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور منافقوں نے اس کو اپنے لیے ایک قابل قبول عذر سمجھ کر پیش کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ کینزوں پر بالوں کا ڈھانکنا واجب نہیں ہے اور شاید اس راز کا سبب یہ ہو کہ کینزوں کا سراپا عام طور پر کسی جاذبیت کا حامل نہیں ہوتا اور پھر ان کے کام کی نوعیت اس پابندی کی اجازت نہیں دیتی۔ نیز ہم پہلے اس کیفیت کو بیان کر چکے ہیں لیکن یہ حال ایسا نہیں ہے کہ کینزوں کے باب میں یہ دست اندازیاں گناہ نہ سمجھی جاتی ہوں اور منافق اس بات کو اپنے لیے عذر کے طور پر پیش کریں۔ اس جملے کے مفہوم میں جو دوسرا احتمال پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جب عورت اپنے آپ کو ڈھانپ کر باوقار طریقے سے باہر نکلے اور اپنی عصمت اور پاکدامنی کو ملحوظ خاطر رکھے تو بدتماش افراد کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس سے کوئی زیادتی کریں۔

پہلے احتمال کی بنا پر ”ذَلِكَ اَدْنَىٰ اَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ“ کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح ان کی پہچان ہو جائے گی کہ وہ آزاد عورتیں ہیں کینزیں نہیں اور یوں انہیں نوجوانوں کی چھیڑ چھاڑ سے چھٹکارا ملے گا لیکن دوسرے احتمال کی بنا پر اس جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس طرح وہ پہچانی جائیں گی کہ ان کا

شمار با عصمت عورتوں میں ہے اور بد کردار افراد ان پر بوس کی نگاہ نہیں اٹھائیں گے۔
 اس آیت میں پردے کے حدود بیان نہیں ہوئے ہیں لہذا اس سے یہ
 معلوم نہیں ہو سکتا کہ چہرے کا چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ پردے کے حدود کو
 متعین کرنے والی آیت سورہ نور کی ۳۱ ویں آیت ہے اور اس کے بارے میں
 پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔

اس آیت سے جو مفہوم مستفاد ہوتا ہے وہ ایک جاودانی حقیقت بھی
 ہے کہ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں اس طرح آمد و رفت کرے کہ
 اس سے ان کی عصمت، وقار، دبدبہ اور پاکیزگی کے علامات ظاہر ہوں اور وہ
 ان خصوصیتوں کے ساتھ پہچانی جائیں۔ ایسی حالت میں وہ بد نہاد افراد جو ہمیشہ
 شکار کی تلاش میں رہتے ہیں ان سے مایوس ہو جائیں گے اور وہ ان سے
 حصول مطلب کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں گے۔ اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتا ہے کہ
 آوارہ نوجوان ہمیشہ ایسی عورتوں کے تعاقب میں رہتے ہیں جو بے پردہ اور شہوہ گر
 ہوتی ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ انہیں تنگ کرنے سے باز کیوں نہیں
 آتے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ اگر ہماری چھپر چھاڑا نہیں پسند نہیں تو وہ
 اس کیفیت کے ساتھ گھر سے کیوں نکلتی ہیں۔

اس آیت میں آنے والا حکم اس دستور کی طرح ہے جو اس سورہ کی آیت
 ۳۳ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج کے بارے میں وارد ہوا ہے:
 فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ قَيْطَمًا الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ۔ یعنی بات کرنے
 میں وہ انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے دل انداز افراد میں طبع اور تحریریں پیدا
 ہو۔ اس حکم میں انداز سخن کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو وقار و عصمت کی آئینہ دار
 ہو جبکہ ہماری زیر بحث آیت آمد و رفت میں وقار کے دستور سے متعلق ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ انسان کی حرکات و سکنات بعض اوقات گویائی رکھتی ہے۔ کبھی عورت کی پوشاک اس کے چلنے اور بات کرنے کا انداز معنی خیز ہوا کرتا ہے جو زبان بے زبانی سے کہتا ہے۔ اپنا دل مجھے دے، میری تمنائیں رہ، میرا پیچھا کرو وغیرہ اور کبھی اس کے برعکس حرکات و سکنات ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں وال گلنے والی نہیں۔

بہر حال اس آیت سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ اس میں پردے سے متعلق کسی خاص کیفیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ پردے کی کیفیت صرف سورۃ نور کی آیت ۳۱ میں مذکور ہے۔ اس بیان کے پیش نظر کہ یہ سورۃ نور کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ”يُدْرِيْنَ عَلَيْنَهُنَّ مِنْ جَلَابِئِيْهِنَّ ط“ سے مراد یہ ہے کہ اس آیت پر عمل کرنے کے علاوہ سورۃ نور میں دیے گئے حکم کی بھی مکمل پابندی کی جائے تاکہ موزی افراد کے شر سے محفوظ رہا جاسکے۔

اس سے پہلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: ”وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِعْيْرِ مَا كَتَبْنَا فَصَدْرًا حَمَلُوْا اِسْمٰهِنَّ اَوَّارًا نَّمًا مَّبِيْنًا۔“ یعنی وہ لوگ جو بلا سبب ایماندار مردوں اور عورتوں کی تکلیف کا سامان فراہم کرتے ہیں وہ بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ یہ آیت آئینی طور پر ان لوگوں کی مذمت کرتی ہے جو مسلمان مردوں اور عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بلا فصل عورتوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ اپنے چال چلن میں وقار اور سنجیدگی کا لحاظ رکھیں تاکہ موزی افراد کے آزار سے محفوظ رہیں۔ اس آیت پر لوہجہ دینے سے زیر بحث آیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اکثر مفسرین نے ”يُدْرِيْنَ عَلَيْنَهُنَّ مِنْ جَلَابِئِيْهِنَّ ط“ کے جملے سے

سے چہرے کا چھپانا مراد لیا ہے یعنی اس جملہ کو چہرے کے چھپانے کے لیے ایک کنا یہ سمجھا ہے۔ مفسرین کو یہ بات تسلیم ہے کہ ”یدنین“ کا اصلی مفہوم چھپانا نہیں ہے لیکن چونکہ ان کے فہم میں یہ بات ہے کہ یہ حکم کینزوں کے مقابل آزاد عورتوں کی پہچان سے متعلق ہے اس لیے انہوں نے اس کی یوں تعبیر کی ہے لیکن ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ تفسیر درست نہیں ہے اور کسی طرح یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کریم نے فقط آزاد عورتوں کو مورد عنایت قرار دیا ہے اور کینزوں کے آزاد سے چشم پوشی کی ہے۔ جو بات زیادہ تعجب خیز دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ جن مفسروں نے یہاں اس طرح گفتگو کی ہے غالباً انہوں نے ہی سورۃ نور کی تفسیر میں کمال صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے اور اس میں علامہ زرخشری اور فخر الدین رازی بھی شامل ہیں۔ یہ کیسے ہوا کہ مفسرین نے اپنی گفتگو کے تناقض کی طرف توجہ نہیں کی اور سورۃ نور کی مذکورہ آیت کی منسوختی کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مفسرین کے نزدیک سورۃ نور اور سورۃ احزاب کی آیتوں میں تناقض نہیں ہے۔ یہ لوگ سورۃ نور کی آیت کو ایک کلی اور اٹمی دستور کی حیثیت سے جانتے ہیں، خواہ عورتوں کے لیے مزاحمت کی کوئی بات ہو یا نہ ہو لیکن سورۃ احزاب کی آیت ان کے نزدیک ان آزار یا مطلق عورتوں کے لیے مخصوص ہے جو آوارہ لوگوں کی مزاحمت سے دوچار ہیں۔

زیر بحث آیت سے ہمیں ایک یہ نکتہ بھی ملتا ہے کہ وہ لوگ جو گلی کوچوں میں خواتین کی زحمت کا سبب بنتے ہیں قانون اسلام کی رو سے شدید سزا کے مستحق ہیں۔ صرف تھانے لے جانا یا سر کے بال مونڈ دینا ان کے لیے کافی نہیں

ہے۔ قرآن کہتا ہے: لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لتغرينك بهم ثم ليجاورونك فيها الا قليلا یعنی اگر وہ لوگ اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان پر حملہ کرنے کا حکم دیں گے اور سوائے چند ایک کے کوئی تمہاری پناہ میں نہیں ہوگا۔ کم سے کم جو بات اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے وہ پاکیزہ اسلامی معاشرے سے ان کی جلا وطنی ہے۔ معاشرہ جتنی پاکیزگی اور عفت و عصمت کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، اسی قدر بدعنوان افراد اس کی نظر میں شدید مزاحوں کے مستحق ہوتے ہیں۔

پردے کے حدود

تبصرہ: اب ہم فقہی نقطہ نظر سے تمام موافق و مخالف دلائل کو سامنے رکھ کر ان حدود کے بارے میں تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جنہیں اسلام نے پردے کے لیے معین کیا ہے۔

ہم بار دیگر اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری گفتگو محض علمی پہلو کی حامل ہے اور اس میں فتوے کا عمل دخل نہیں ہے۔ میں صرف اپنا نظریہ پیش کر رہا ہوں۔ تاہم ہر شخص کو چاہیے کہ اس مجتہد کے فتوے پر عمل کرے کہ عملاً وہ جس کی تقلید میں ہے۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ان مفاہیم کو پیش کریں جو اسلامی فقہ کی رو سے قطعی اور مسلم ہیں اور اس کے بعد ان مطالب کی طرف آئیں جو ختلافی اور قابل بحث ہیں۔

۱۔ عورت کو چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا اپنے آپ کو ڈھانپنا ضروری ہے، اس میں اسلامی فقہ کی رو سے کوئی تردید نہیں پائی جاتی۔ یہ بات ضروریات

اور مسلمات میں سے ہے اور اس بارے میں قرآن، حدیث اور مذہبی فتاویٰ کی رو سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جو بات زیر بحث ہے وہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا ہے۔

۲۔ پردے کے وجوب اور عورت پر حرمت نگاہ کے مسئلہ کو ایک دوسرے سے جدا رکھنا ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانے کے عدم وجوب کا قائل ہو اور ساتھ ہی مرد کے لیے حرمت نگاہ کا بھی معتقد ہو۔ یہ بات پیش نظر نہیں ہونی چاہیے کہ ان دونوں مسئلوں میں کوئی تلازم ہے۔ جیسا کہ فقہی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ مرد پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنا سر ڈھانپے مگر یہ بات عورت کے لیے اس امر کی دلیل نہیں بن سکتی کہ اس کے لیے مرد کے سر اور بدن پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

جی ہاں اگر ہم نگاہ ڈالنے کے مسئلے میں جواز کے قائل ہوں تو پردے کے مسئلے میں بھی ہمیں عدم وجوب کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ یہ بات دو راز فہم ہے کہ عورت کے چہرے اور ہاتھوں پر مرد کی نگاہ جائز ہو مگر ان حصوں کا کھلا رکھنا عورت پر حرام ہو۔ یہ بات ہم بعد میں نقل کریں گے کہ گزشتہ ادوار میں صاحبان فتویٰ کے درمیان ایسا کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کے وجوب کا قائل ہو لیکن ہیں ایسے لوگ کہ جو ان پر نگاہ ڈالنے کو حرام جانتے ہیں۔

۳۔ جواز نگاہ کے مسئلہ میں البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ حرص و ہوس کی نگاہ ہو تو پھر وہ حرام ہے۔ ”ریبہ“ میں مقصد نگاہ لذت اندوزی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ناظر اور منظور الیہ کی

کیفیت مجموعی طور پر خطرہ کی حامل ہوتی ہے اور اس میں خدشہ یہ ہے کہ کہیں ان سے لغزش رونما نہ ہو جائے۔

یہ دو طرح کی نگاہیں مطلقاً حرام ہیں حتیٰ کہ محارم کے باب میں بھی اگر اس میں استثناء ہے تو صرف ایسی نگاہ میں جو رشتہ طے کرنے کے لیے ہو۔ یہاں اگر تذبذب بھی پایا جائے تو جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مقصد واقعی گھر بسانا ہو۔ یعنی وہ حقیقتاً شادی کی خاطر لڑکی کو دیکھے اور دیگر تمام پسندیدہ خصوصیات کے اعتبار سے وہ اس کا انتخاب کر چکا ہو نہ یہ کہ شادی کو بہانہ بنانا مقصود ہو الٹی قانون بشری قانون کی طرح نہیں ہے کہ حیلہ سازی سے اپنے آپ کو مطمئن کر لیا جائے۔ یہاں انسان کا ضمیر حاکم اور خداوند عالم محاسب ہے کہ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں لہذا یہ کہنا پڑے گا کہ حقیقتاً یہاں کوئی استثناء نہیں کیونکہ جو چیز مطلقاً حرام ہے وہ بقصد تذبذب دیکھنا ہے اور جس بات میں کوئی دھڑکا نہیں وہ بقصد تذبذب دیکھنا ہے مگر یہ کہ تذبذب بلا ارادہ پیدا ہو جائے۔

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کسی لڑکی کے انتخاب کے لیے خواتین کی ٹولی کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ جو بات جائز ہے وہ صرف مرد کا ایسی خاتون کو دیکھنا ہے جس کو اس کے لیے منتخب کیا گیا ہو اور وہ اس کے بارے میں فکر مند ہو اور اسے اس کے چہرے اور وضع قطع کے علاوہ کسی چیز میں تردد نہ ہو۔ بس وہ یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ آیا چہرے کے اعتبار سے وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے یا نہیں؟ بعض دیگر فقہاء نے اس موضوع کو بڑی احتیاط سے بیان کیا ہے۔

چہرہ اور کلائیوں تک

دو تلوں ہاتھ

پردے کے بارے میں ایک سیر حاصل کفنگو کے بعد اب چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ پوشیدہ رکھنے کی بات رہ جاتی ہے۔

پردے میں چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کے سلسلے میں دو مختلف فلسفے سامنے آتے ہیں۔ اگر ہم ان کے چھپانے کو واجب سمجھیں تو حقیقت ہم اس فلسفے کے حق میں ہونگے جس میں عورت کو گوشہ نشین بنا دیا جاتا ہے اور وہ گھڑیلو ماحول اور سو فیصد عورتوں کے مخصوص حلقوں کے سوا کوئی کام نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر ہم پورے بدن کو ڈھانپنا ضروری سمجھیں، تحریک آمیز بناؤ سنگھا کو حرام جانیں، مردوں کے نیلے نکھی اور لذت کی نگاہ کو ناجائز قرار دیں اور صرف چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے کھلا رکھنے کو واجب جانیں بشرطیکہ غیر معمولی اور بھڑکیلا سنگھار شامل حال نہ ہو تو پھر مسئلہ کی صورت کچھ اور ہو جاتی ہے اور ہم کسی اور فلسفے کے حامی بن جاتے ہیں۔ وہ فلسفہ یہ ہے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں دھکیل دینا مناسب نہیں ہے۔ یہ بات ضروری ہے کہ ہر طرح کی جنسی لذت گھر کے اندر محدود اور باہر کی فضا کو صاف ستھرا رہنا چاہیے۔ یعنی کان، آنکھ اور ہاتھ سے لذت اندوزی کو اپنے شریک حیات سے مختص رہنا چاہیے۔ اس طرح عورت ہر طرح کے اجتماعی امور میں حصہ لے سکتی ہے البتہ اس میں چند رکات ہیں:

۱۔ ہم فی الحال اس بحث میں نہیں پڑتے کہ آیا عورت کا اولین فرض نگہداری

ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم اس بات کے حامی ہیں کہ عورت کا اولین فرض خانہ داری اور حقوق مادری کی انجام دہی ہے۔

۲۔ بعض ایسے عہدے ہیں جن کے بارے میں گفتگو ایک جداگانہ صورت رکھتی ہے کہ کیا عورت قانون اسلام کی رو سے ان پر فائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً سیاسی و عدالتی عہدے اور فتویٰ نویسی یا مرجعیت تقلید آگے چل کر ہم ان کے بارے میں ایک الگ بحث کریں گے۔

۳۔ اجنبی مرد کے ساتھ خلوت یا تنہائی اشکال سے خالی نہیں اور شاید اکثر علماء کے نزدیک یہ عمل حرام ہو۔ فی الحال ہم اس طرح کے اجتماعی امور پر بھی گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔

۴۔ اسلام کی رو سے مرد گھر کا سرپرست ہے اور عورت اس دائرہ کا ایک حصہ ہے۔ اس بنا پر خانگی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرد اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ عورت کو کسی کام کے انجام دینے سے منع کر دے۔

ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہرہ اور دونوں کلائیوں تک ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو اور خاص طور پر چہرے کا چھپانا تو از خود عورت کی فعالیت اپنے گھر اور عورتوں سے متعلق خصوصی اجتماعات تک محدود ہو جائے گی لیکن اگر پورے چہرے کا ڈھانکنا واجب نہ ہو تو یہ محدودیت اور پابندی خود بخود لازم نہیں ہوگی۔ بہر حال پورے چہرے کو نہ چھپانے کی چھوٹ 'حرمیت یا جواز کے اعتبار سے بعض امور کے شرعی حکم کو واضح کرتی ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جو فقہی اور شرعی نقطہ نظر سے اور بالذات عورت پر حرام نہیں ہیں لیکن اگر چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپائے رکھنے کو ضروری سمجھا جائے تو وہ عورت پر حرام

ہو جائیں گے اس لیے کہ ان کی انجام دہی میں ان کے چھپائے جانے کی رعایت برقرار نہیں رہے گی لہذا عورت کے لیے ان امور کا جواز اور عدم جواز عورت کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے یا نہ چھپائے جانے پر منحصر ہوگا۔ ہم ذیل میں ان امور سے متعلق بعض نمونے پیش کرتے ہیں:

۱۔ کیا عورت کے لیے کار چلانا جائز ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ اس امر میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ عورت اپنے اوپر واجب احکام کی پابندی کرتی ہے یا نہیں؟ اگر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ عورت کے لیے کار چلانا جائز نہیں۔

۲۔ کیا گھر سے باہر اشیائے صرف کی فروخت عورت کے لیے جائز ہے؟ البتہ یہاں اس فروخت کی گفتگو نہیں ہے جو فی زمانہ رائج ہے اور جو سراسر دھوکا اور فریب ہے۔

۳۔ کیا عورت کے لیے دفتری امور جائز ہیں یا نہیں؟

کیا عورت کو تدریس کا حق حاصل ہے خواہ اس کے محض درس میں مرد بھی شامل ہوں؟ یا پھر اسے مرد اساتذہ کی جماعتوں میں تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اگر ہم یہ کہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا ضروری نہیں اور مرد بھی حرص اور لذت سے عاری نگاہوں سے عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے ہیں تو اس صورت میں مذکورہ امور کے بارے میں ہمارا جواب مثبت ہوگا وگرنہ منفی۔

مختصر یہ کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ عورت کی پابندی اور آزادی کی سرحد

ہیں۔ پردے کے بارے میں مخالفین کے اعتراضات بھی اسی کیفیت سے وابستہ ہیں جبکہ ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا پردہ ضروری جانیں، لیکن اگر ہم چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کو واجب نہ جانیں تو پھر باقی بدن کے چھپانے کو واجب نہ جانیں تو پھر باقی بدن کے چھپانے پر کوئی اعتراض عاید نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس مخالف سمیت پر اعتراض وارد ہوگا۔

اگر عورت کو بیماری لاحق نہ ہو اور وہ عریاں حالت میں باہر نہ آنا چاہے تو ایک ایسا سادہ لباس جو اس کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے سوا تمام سرگردن اور بدن کو ڈھکے اسے کسی بیرونی کام کی انجام دہی سے نہیں روکتا بلکہ اس کے برعکس تصنع، بناوٹ، خود نمائی، تنگ و چست اور رنگ پرنگے نئے فیشن کے لباس عورت کو ایک فضول اور غیر فعال جسم میں بدل دیتے ہیں اور اس کا تمام وقت اپنی آرائش کے تحفظ میں گزر جاتا ہے جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہم نے قدیم مفسرین کی آراء بیان کی ہیں، اسی طرح ہم اس بات کی بھی وضاحت کریں گے کہ پردے میں چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا استثناء اس لیے ہے کہ عورت معاشرے میں انسانی حیثیت سے سرگرم عمل رہ سکے اور اس بنیاد پر اسلام نے ان کا چھپانا واجب قرار نہیں دیا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ میں موافق اور مخالف دلائل کو تحقیق کی منزل پر لاتے ہیں۔

موافق دلائل

موافق دلیلوں کے تحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے:

۱۔ پردے سے متعلق سورہ نور کی آیت ۳۱ جس میں اس کے حدود بتائے

کئے ہیں۔ یہ آیت چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری نہیں جانتی۔ اس آیت کے دو جملوں کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایک ”وَلَا يُبْدِيَنَّ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ اور دوسرے ”وَلْيَضْرِبَنَّ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ“ کا جملہ۔

پہلے جملے کے بارے میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اکثر مفسرین اور بالعموم روایات نے ہندی سرمہ، انگوٹھی اور کڑے وغیرہ کو ”إِلَّا مَا ظَهَرَ“ میں مستثنیٰ جانا ہے۔ یہ وہ سنگھار ہیں جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں سے متعلق ہیں۔ ہندی انگوٹھی اور کڑے ہاتھوں کی زینت ہیں جبکہ سرمہ کا تعلق آنکھوں اور چہرے سے ہے۔ وہ لوگ جو چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے چھپانے کو واجب گردانتے ہیں ”إلا ما ظهرا“ کا استثناء ان کے لیے بالائی لباس ہونا چاہیے اور استثناء کا یہ مفہوم بہت بعید اور قرآن کی بلاغت کے خلاف ہے۔ بالائی یا اوپری لباس کو چھپانا غیر ممکن ہونے کے سبب استثناء اس پر صادق نہیں آتا۔ اس کے علاوہ لباس کو اسی وقت زینت میں شمار کیا جاسکتا ہے جب بدن کا کوئی حصہ نمایاں ہو۔ مثلاً پردے سے بے نیاز عورتوں کے لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا لباس ان کی زینتوں میں سے ایک زینت ہے لیکن اگر عورت تمام بدن کو اوپر سے نیچے تک ایک ہی لباس سے ڈھانکے ہوئے ہو تو ہم اسے زینت نہیں کہہ سکتے۔

مختصر یہ کہ اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت بدن کی زینت کے ایک حصے کو مستثنیٰ قرار دیتی ہے اور روایات کی صراحت بھی ہرگز قابل تردید نہیں ہے۔

دوسرے جملے کے بارے میں کہنا پڑے گا کہ آیت سینہ کے چھپانے کے

و خوب پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ اس مقام پر حدود کے تعین کی گفتگو سے لہذا اگر چہرے کا چھپانا ضروری ہوتا تو اس منزل پر اس کا تذکرہ بھی ضرور آتا۔
 نور فرمایا میں لفظ ”خمار = اوڑھنی“ بنیادی طور پر سر کو ڈھانکنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ آیت میں اس لفظ کا استعمال یہ بتاتا ہے کہ عورت کے لیے اوڑھنی ضروری ہے اور ظاہر ہے اوڑھنی سر کے لیے ہوا کرتی ہے۔ ہاں البتہ یہ بات کہ اوڑھنی سے سر کے علاوہ بھی دوسرے حصوں کو ڈھانکنا ضروری ہے۔ یہ بتانا پڑے گا کہ چونکہ آیت میں اوڑھنی کے دونوں سروں کو گریبان پر ڈالنے کی گفتگو ہے لہذا پردے کی بس یہی مقدار ہمارے لیے اجنبی ہوگی۔
 ممکن ہے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ ”لَيَضْرِبَنَّ بِخُمُرِهِنَّ عَطَلًا جَبُوبًا“ کے معنی یہ ہیں کہ اوڑھنی کو چہرے کے سامنے سے ایک پردہ کی صورت میں سیدہ تک آویزاں کیا جائے۔

لیکن آیت کا یہ مفہوم کسی طرح بھی درست نہ ہوگا اس لیے کہ اول تو یہاں لفظ ”جلیباب“ نہیں بلکہ ”خمار“ استعمال ہوا ہے۔ خمار چھوٹی چادریا دوپٹے کو کہا جاتا ہے جبکہ ”جلیباب“ بڑی چادر سے عبارت ہے اور چھوٹی اوڑھنی کو اس طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے تمام بال جو اس زمانے میں یقیناً بڑے ہوا کرتے تھے پوری طرح چھپ جائیں اور باقی حصہ اس طرح آویزاں ہو کہ اس سے گریبان اور سیدہ چھپا رہے۔

ثانیاً آیت کا ارشاد ہے کہ اپنی اسی اوڑھنی سے یہ عمل انجام دو۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ اس طرح اوڑھنیوں کو اپنے چہرے کے سامنے ڈالیں تو انہیں اپنے پیر کے سامنے کی چیز دکھائی نہیں دیتی اور ان کے لیے چلنا پھرنا دو بھر ہو جاتا۔ ان دنوں جالی دار دوپٹے کا وجود نہیں تھا جو اس کام کے لیے مفید ہوتا۔

اگر مقصد یہ ہوتا کہ حتی طور پر دوپٹے چہرے کے سامنے لٹکائے جائیں تو کہا جاتا کہ ایسے دوپٹے بناؤ جو چہرے کا نقاب بھی ہوں اور اس سے تمہیں چلنے میں بھی آسانی ہو۔

ثانیاً ”علی“ کے ساتھ ”ضرب“ کی ترکیب لٹکانے کے مفہوم کو ظاہر نہیں کرتی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی اسے عرب ماہرین لغت و ادب کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ یہ ترکیب فقط اس مفہوم میں درست ہے جب کسی شے کو بطور حامل کسی شے پر قرار دیا جائے۔ مثلاً ”فضو بنا علی اذا نھم“ کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے انکے کانوں پر ایک حامل یا حجاب کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح ”وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ“ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں اور گریبانوں پر ایک حامل یا حجاب قرار دو۔ پس جہاں پردے کے حدود کی گفتگو آتی ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے اپنے دوپٹوں یا اوڑھنیوں کے ساتھ اپنے سینوں اور گریبانوں پر ایک حجاب قائم کرو۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ چہرے پر حجاب ڈالنا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

یہاں ایک اور نکتے کا اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمان عورتیں کس کیفیت کے ساتھ اپنے دوپٹوں کو استعمال میں لاتی تھیں؟

تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ پردے کی آیت کے نزول سے پہلے مسلمان عورتیں عرب کے قدیم رواج کے مطابق اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھیں اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ وہ دوپٹہ کو سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے کانوں کے عقب سے اپنی پشت کی طرف ڈالا کرتی تھیں جس کے نتیجے میں ان کے کان، گوشوارے، چہرہ، گردن اور گریبان سب پیش نظر رہتے تھے۔ ایسی حالت میں جب یہ حکم دیا گیا کہ اپنے سر کی چادر یا دوپٹہ کے سروں کو اپنے سینوں

پر لائیں تو اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ دوپڑے کے دونوں سروں کو الٹی اور سیدھی جانب سے مخالف سمتوں میں سینوں پر ڈالا جائے۔ اس حکم پر عمل کرنے سے کان، بندے، گردن اور سینہ چھپ جاتے ہیں اور چہرہ کھلا رہ جاتا ہے۔ ہماری نظر میں زیر بحث آیت اسی مفہوم کو پیش کرتی ہے اور اس میں قطعاً کوئی شک اور تردید نہیں، اور جب ہم اس بات کی طرف توجہ دیں کہ آیت پردے کے حدود سے متعلق ہے اور اصولیین کی اصطلاح کے مطابق بیان کی منزل میں اہمال یا صرف نظر جائز نہیں تو یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ چہرے کا چھپانا واجب نہیں ہے۔

۲۔ بہت سے مقامات پر جہاں بطور مستقیم پردے یا نگاہ کے جواز اور عدم جواز کی گفتگو ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ساتلین اور پیشویان دین کے درمیان صرف بالوں ہی کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے اور چہرے کے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہوتی۔ گویا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ پردے کے حدود سے مستثنیٰ ہیں۔ ہم ذیل میں ان مقامات سے متعلق چند نمونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

الف: سالی کے باب میں حرمتِ رگاہ

صحيح البزنطی عن الرضا (ع) قال: سئلته عن الرجل
 يصل له ان ينظر الى شعراخت امرئته ؟ فقال: لا الا
 ان تكون من النواعد قلت له: اخت امراته وانظر اليه
 سواء ؟ قال: نعم، قلت: فهالي من النظر اليه منها ؟
 فقال شعوها وذرا عها له

لہ وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵

ترجمہ: امام رضا علیہ السلام کے عالی قدر صحابی احمد بن نصر بن نبطی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنی سالی کے بالوں پر نگاہ ڈالے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمیں مگر یہ کہ وہ سن رسیدہ عورتوں میں سے ہو۔ میں نے عرض کی: پھر سالی اور غیر ثورت اس مسئلہ میں ایک ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے پوچھا میں اس (سن رسیدہ) عورت کو کن حدود میں دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تم اس کے بالوں اور ذراع (یعنی انگلیوں اور کلائی تک کے حصے) کو دیکھ سکتے ہو۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت کے پہلے سوال اور امام علیہ السلام کے آخری جواب میں جس چیز کا تذکرہ ہوا ہے وہ ”بال“ ہیں نہ ”چہرہ“۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ چہرے کا مستثنیٰ ہونا دونوں کے نزدیک مسلم رہا ہے اور ہر جگہ یہ احتمال پیدا نہیں ہوتا کہ مثلاً سن رسیدہ عورتوں کے باب میں آپ ان کے بالوں اور انگلیوں سے کلائی تک کے حصے کو دیکھ سکتے ہیں لیکن چہرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ حالانکہ حدود نگاہ کے جواب میں چہرے کا تذکرہ نہیں ہوا ہے۔

(ب) کم سن بچے کے باب میں

ایضا صحیح المیزنطی عن الرضا قال: یؤخذ الفلام
بالصلوة وهو ابن سلع سنین ولا تغطي المرأة منه
شعرها حتی یحتملہ

امام رضا علیہ السلام نے احمد بن ابی نصر زینلی سے فرمایا: جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز پر آمادہ کرنا چاہیے لیکن مرحلہ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے عورت پر لازم نہیں ہے کہ اس سے اپنے بالوں کو چھپائے۔ گویا نماز پر آمادہ کرنا عادت ڈالنے کے لیے ہے وگرنہ بچہ سات سال کی عمر میں جوان مرد کا حکم نہیں رکھتا۔ یہاں بھی بالوں کو چھپانے کا مسئلہ درپیش ہے، چہرے کا نہیں۔ اسی مضمون سے متعلق دیگر روایتیں کثرت سے کتب حدیث میں ملتی ہیں۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بالوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہاں بدن کا تذکرہ نہیں آیا ہے حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ بدن کا چھپانا بھی واجب ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ چہرے کا چھپانا بھی واجب ہو اور اس کا تذکرہ نہ ہوا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہرے کا چھپانا واجب ہوتا تو بات مناسب ہوتی کہ اسے بطور مثال پیش کیا جاتا۔ ہمارے یہاں پردہ چہرہ ڈھانپنے سے عبارت ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ کام کرنے میں جس حصہ کے کھلنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں وہ چہرہ ہے اور جب اس کے چھپانے کی بات کی جائے تو پھر دوسرے حصوں کے چھپانے کا درجہ اولیٰ سمجھا جاسکتا ہے لیکن بدن کے دوسرے حصوں کا چھپانا عملاً مورد بحث نہیں رہا ہے اور اس کے جواز میں کوئی شک بھی نہیں پایا جاتا تھا کہ جس کے بارے میں سوال کیا جاتا۔

ج۔ باندی غلاموں کے باب میں

”لاباس این ییری المملوک الشعرو الساق لہ یعنی جائز ہے کہ غلام اس خاتون کے بالوں اور پیروں پر نگاہ ڈالے جو اس کی مالکین ہو۔ دوسری روایت میں محنتوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے (جو ممکن ہے مملوک بھی نہ ہوں) :

محمد بن اسماعیل بن بزیر قال سألت ابا الحسن الرضا
عن قناع المحرّس من النخصیان - فقال کانوا یدخلون
علی بنات ابی الحسن^۳ ولایتقنعن قلت وکانوا احراراً
قال لا قلت فالاحرار یتقنعن منهم قال لا^۴

حضرت امام رضا علیہ السلام کے ایک جلیل القدر صحابی جناب محمد بن اسماعیل بن بزیر فرماتے ہیں: میں نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آزاد عورتوں کو خواجہ سراؤں کے سامنے سر ڈھانکنا ہوگا؟ (کینزوں کے بارے میں مسلم ہے کہ ان کے لیے سر ڈھانکنا ضروری نہیں ہے لہذا اس سوال کو آزاد عورتوں سے مختص کیا گیا ہے)۔

آپ نے فرمایا: نہیں خواجہ سرا حضرات میرے والد بزرگوار جناب امام موسیٰ بن جعفر صادق علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور ان کے سروں پر چادریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ میں نے پوچھا: خواجہ سرا لوگ آزاد تھے یا غلام؟ آپ نے فرمایا آزاد نہیں تھے۔ میں نے

۱۔ وسائل جلد ۲ صفحہ ۲۹ اور کافی جلد ۵ صفحہ ۵۳۱ شہ وسائل جلد ۲ صفحہ ۲۹۔

مرض کی اگر یہ آزاد ہوں تو کیا پھر ان کے سامنے سر ڈھا لکنا ضروری ہو جائے گا؟
فرمایا نہیں۔

تفسیر آیات میں ہم یہ گفتگو کر چکے ہیں کہ خنثی اور غلام عورت کے لیے
محرم ہیں یا نہیں؟ اکثر فقہا کہتے ہیں کہ محرم نہیں ہیں، لیکن بہر حال یہ اور اس
سلسلے کی دیگر تمام روایات باہمی اختلاف کے باوجود جو کافی، وسائل اور دیگر
تمام کتب حدیث میں درج ہیں پر دے میں چہرے کے استثناء کے باب میں
مشکوٰۃ نہیں ہیں۔

د۔ ذمی عورتوں کے باب میں ۱۴

السكوني عن ابي عبد الله عليه السلام قال قال

رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لا حرمه لهن

اهل الذمه ان ينتظرنه و ابيدهن ۱۴

سکونی داہل تسنن کے علماء میں سے ہے۔ اس نے امام جعفر صادق سے
بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اور علماء شیعہ کے نزدیک قابل اعتماد شخصیت ہے
امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے رسول خدا
کے حوالے سے فرمایا: ذمی عورتوں کے بالوں اور ہاتھوں کو دیکھنا حرام
نہیں ہے۔

ابوالبختوی عن جعفر عن ابيه عن علي بن ابي طالب اذ باس

بالنظرا الى رؤوس النساء من اهل الذمه ۱۴

۱۴ ذمی ان افراد کو کہا جاتا ہے جو مسلمان نہیں ہیں لیکن قدیم ادیان کے پیروکار ہیں اور اسلامی
حکومت کی پناہ میں مخصوص قرار داد کے تحت رہتے ہیں۔ ۱۴ اور ۱۴ وسائل جلد ۲۔ صفحہ ۲۶

یعنی حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ذمی عورتوں کے سر پر نگاہ ڈالنا جائز ہے۔

فقہاء اور مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ اہل کتاب عورتوں کو دیکھنا جائز ہے۔

اہلۃ فقہاء کے ایک گروہ نے اس میں ایک بندش کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ صرف اس حد تک اکتفاء کرنا چاہیے جس حد تک پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں معمول رہا ہے یعنی یہ دیکھنا ہوگا کہ اس زمانے میں کن مقامات کو کھلا رکھا جاتا تھا، بس اسی حد تک دیکھنا جائز ہے جو حرص اور لذت کے لیے نہ ہو، لیکن آج کل عربانی جس حد تک پہنچ گئی ہے اسے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن بعض دیگر فقہاء کا موقف یہ ہے کہ بدن کے جن حصوں کو وہ مجمع عام میں کھلا رکھتی ہیں ان کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں یہ کیفیت نہیں تھی۔

۴۔ صحرائی یا دیہاتی عورتوں

کے باب میں

عباد بن صلیب: سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول
لا یاس بالنظر الخی ووس نساء اهل تھامہ والاعراب
واهل السواد والعلوج لانہم اذا تلوا لا یتلھون لہ

یعنی بروایت عباد بن صہیب، امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ صحرائی، دیہاتی، اور غیر مسلم عورتوں کے سروں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ انہیں کتنا ہی منع کیا جائے وہ اس سے باز نہیں آتیں۔ بعض فقہاء نے اس روایت کی بنیاد پر فتوے صادر کیے ہیں۔ مرحوم آیت اللہ سید عبد الہادی شیرازی سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اس حکم کو اہل شہر کی ان عورتوں کے بارے میں بھی عمومیت دی ہے جن پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس دور کے بعض بڑے مراجع تقلید اور فقہائے معاصر نے بھی اسی طرح کا فتویٰ صادر کیا ہے اور وہ اس عدم قبول نصیحت کو سند بنتے ہیں جسے ذکر شدہ حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔

بیشتر فقہاء یہ فتویٰ نہیں دیتے لیکن انہوں نے ان مقامات میں آمدورفت سے مردوں کو نہیں روکا ہے جہاں یہ عورتیں رہتی ہیں۔ اگر گزرتے ہوئے کسی پر ان کی نظر پڑ گئی تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن دائمی طور پر اس کی تکرار مناسب نہیں۔

بہر حال اس قبیل کی روایات میں ہمارا منتهائی نظریہ ہے کہ کسی مقام پر بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا تذکرہ نہیں ہوا، اس لیے کہ ان مقامات کا چھپا پانا جاننا روایتوں کے نقطہ نظر سے حتمی اور مسلم رہا ہے اور اس میں معمولی سا شائبہ بھی نہیں ہے۔ ہم پہلے بھی کہ چکے ہیں کہ اس امر کا کوئی امکان

۱۔ حدیث میں اہل سواد کہا گیا ہے۔ اس سے مراد اطراف شرک کے کھیت اور بستیاں ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقامات دور سے سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم اکثر اوقات سواد سے کوز کے اطراف مراد لیے جاتے ہیں۔ ۲۔ ملاحظہ ہو، منهاج الصالحین ج ۱، کتاب النکاح، ج ۳

نہیں ہے کہ چہرے کے چھپانے کو واجب سمجھا گیا ہو اور بالوں کے ڈھانپنے میں کوئی تردد نہ ہو۔

چہرے اور کلائی تک دونوں ہاتھوں کا کھلا رکھنا ان پر جواز نظر کی دلیل نہیں ہے لیکن جواز نظر چہرے اور ہاتھوں کو چھپاتے رکھنے کے لازم نہ ہونے پر دلیل ہے۔

ہم نے اس سے پہلے دَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِنَّ مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی آیت کے ذیل میں بعض روایتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اب پھر مزید چند روایتیں پیش خدمت ہیں۔

الف: خبر مسعد بن زرارہ - قال سمعت جعفرًا
وسئل عما تظهن المرءة من زينتها قال (ع) الوجه
والكفين له

مسعد بن زرارہ، امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جب آپ سے عورت کی اس زینت کے بارے میں سوال کیا گیا جسے وہ آشکار کر سکتی ہے تو آپ نے فرمایا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ۔

ب: حبر المفضل بن عمر - قال قلت لابي عبد الله (ع)
ما تقول في المرءة تموت في السفر مع الرجال
ليس فيهم لها ذو محرم ولا معهم مراة فتموت
المرأة ما يصنع بها؟ قال يغسل منها ما اوجب الله
عليه اليتيم لا تمس ولا يكشف لها شيء من محاسنها ^{ليني}

لہ قرب الاسناد - صفحہ ۳

امرا لله سبحانه بسترها قلت فكيف يصنع بيها؟
قال يغسل بطن كفيها ثم يغسل وجهها ثم يغسل ظهر
كفيها لـ

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک ایسی عورت
کے بارے میں سوال کیا جو حالت سفر میں مر گئی ہو اور اسے غسل دینے کے لیے
کوئی محرم مرد یا کوئی اور عورت موجود نہ ہو۔ آپ نے فرمایا اس کے موضع تیمم
کو غسل دینا چاہیے لیکن اس کا بدن چھوانہ جائے اور اس کی ان زیبا نشوں
کو آشکار نہ کیا جائے جن کے چھپانے کو اللہ نے واجب قرار دیا ہے۔ میں
نے پوچھا کس طرح عمل کرنا ہوگا؟ فرمایا پہلے اس کی ہتھیلیاں دھونی چاہئیں
اور پھر اسکے چہرہ اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کی پشت۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ چہرہ اور کلائی تک دونوں ہاتھ بطور واضح
ان حصوں میں شامل ہیں جن کے ڈھانکنے کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے۔

ج : عن علی بن جعفر، عن الرجل، ما یصدح له

ان ینظر من المرثۃ التي لا تحل له ؟ قال الوجه

والکف و موضع السواریک

علی بن جعفر، امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند ہیں اور حلیل القدر
افراد میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ بن
جعفر علیہ السلام سے پوچھا کس حد میں کوئی مرد کسی نامعلوم عورت کو دیکھ سکتا
ہے؟ آپ نے فرمایا چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ اور چوڑیاں پنپنے کی جگہ۔

د- عن ابی جعفر عن جابر بن عبد اللہ الانصاری
 قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 یزید فاطمہ علیہا سلام وانا معہ فلما انتهینا
 الی الباب وضع یدہ علیہ فدفعہ ، ثم قال :
 السلام علیکم - فقالت فاطمہ : علیک السلام
 یا رسول اللہ قال ادخل ؟ قالت ادخل یا رسول اللہ ، قال ادخل
 انا ومن معی ؟ فقالت یا رسول اللہ لیس علی قناع
 فقال یا فاطمہ خذی فضل ملحفتک فقنعی بها
 راستک - ففعلت ثم قال السلام علیکم فقالت و
 علیک السلام یا رسول اللہ قال ادخل ؟ قالت
 نعم یا رسول اللہ قال انا ومن معی ؟ قالت ومن
 معک - قال جابر : فدخل رسول اللہ ودخلت و
 ارا وجه فاطمہ اصفر کانه بطن جراده ، فقال
 رسول اللہ : ما لی اری وجهک اصفر ؟ قالت
 یا رسول اللہ الجوع ، فقال اللهم مشبع الجوعه
 وداقیع الضیعہ ، اشبع فاطمہ بنت محمد ، قال
 جابر فتظرت الی الدم ینحدر من قصاصها
 حتی عاد وجهها احمر ، فما جاءت بعز ذلك
 الیوم لہ

حدیث کا مضمون بطور اختصار یہ ہے: حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب فاطمہ صلوٰۃ وسلامہ علیہا کے گھر پہنچے۔ جناب رسالتاً نے باہر سے سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جناب خاتون جنت نے آپ کو اجازت دی۔ پیغمبر اکرم نے پوچھا: کیا میں اپنے ساتھی کے ساتھ آسکتا ہوں؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: باباجان میرے پاس سر ڈھانپنے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول خدا نے فرمایا: اپنے ہنڈیوں کے اضافی حصوں سے اپنے سر کو ڈھانک لو۔ اس کے بعد پھر آپ نے اندر آنے کے لیے پوچھا اور مثبت جواب پر داخل ہوئے۔ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کا چہرہ شکم ناسخ کی مانند زرد تھا۔ رسول خدا نے پوچھا: کیوں بیٹی تمہاری یہ کیا کیفیت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: باباجان بھوک نے یہ حال کر دیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ خداوند! میرے جگر گوشہ کو سیر فرما۔ آپ کی اس دعا سے جناب خاتون جنت کا چہرہ تھمتھانے لگا اور ایسا محسوس ہوا جیسے آپ کے چہرے میں ہونے لگے گردش شروع کر دی ہو اور اس کے بعد جناب سیدہ کی بھوک مٹ گئی۔

لہٰذا اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کے بعد بعض افراد نے ہم سے دعوات چاہی کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ دفتر رسول خدا کا چہرہ بھوک سے زرد ہو۔ آخر کیوں اور کس لیے آپ بھوکے نہیں؟ میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا سوال ہمارے سامنے پیش کیا۔ یہاں دو باتوں پر توجہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ ان وقتوں کے مسلمانوں کی زندگی مدینہ میں بیشتر سختی سے گزرتی تھی۔ پھر جنگوں نے بھی مدینہ کی کمزور معاشیات کو اپنی پٹیٹ میں سے دکھا تھا اور کبھی قحط زدگی رہی سہی کسر کو پورا کرتی۔ چنانچہ جس سال (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

یہ حدیث بڑی وضاحت سے اس بات کی نشان دہی کرتی ہے کہ چہرہ کا ڈھانکنا واجب نہیں اور نیز یہ کہ چہرے پر نظر کرنا بھی جائز ہے۔

۵۔ عن الفضیل بن یسار۔ قال سالت ابا عبد اللہ

عن الذراعین من امرئۃ ہما من الزینۃ الی

(پچھلے صفحے سے آگے) غزوۃ تبوک رونما ہوا اس سال بڑا سخت کال پڑا تھا اور اسی لیے سپاہ تبوک کو ”بیش العصرہ“ کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات اصحاب صفہ اتنی سختی کے عالم میں ہوتے کہ نمازیں شرکت کے لیے ان کے پاس مناسب لباس بھی نہیں ہوتا تھا۔ اسی صورت میں ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب سیدۃ عالم کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ آپ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار نمایاں ہوئے۔ جناب سیدۃ عالم نے فوراً اس کو اپنے پردہ بزرگوار کی خدمت میں حاضر کیا۔ رسالتابؐ نے اس پردے کے ٹرٹے کیے اور انہیں اصحاب صفہ میں بانٹ دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ایک جفاکش انسان تھے اور سپاہیانہ خدمات کے صلے اور غنائم جنگی کے علاوہ ان کے پاس کھیتی باڑی کا شغف بھی تھا۔ کبھی کبھی دوسروں کی باغبانی سے بھی تحصیل معاش کیا کرتے تھے لیکن حضرت علیؑ اور جناب سیدۃؑ ایسے افراد نہیں تھے کہ خود سیر ہول اور اطراف کے لوگ بھوکے رہیں۔ وہ جو کچھ کھاتے تھے اسے دوسروں کے لیے بطور ایشا رید دیا کرتے تھے اور اسی ضمن میں سورۃ ”بل ائی“ نازل ہوئی۔

بے شک صدر اول کے مسلمانوں نے اس سختی کے ساتھ اسلام کے پرچم کو ختم کر اسے دنیا کے دور ترین حصوں تک پہنچایا۔

رسالتابؐ کے گھرانے کی بھوک کسی نقص یا شرمساری کا باعث نہیں بلکہ یہ ایک طرہ امتیاز ہے جو ان کی پیشانیوں پر بڑی آب و تاب سے سج رہا ہے۔

قال الله ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن؟ قال نعم

وما دون الخمار من الزينه وما دون السوارب

فقيل بن يسار كتمتہ ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا عورت کے بازو بھی ان مقامات سے مستثنیٰ ہیں جنہیں خیر محرم سے چھپانا ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں چادر کے نیچے جو شے قرار پائے اسے چھپانا چاہیے اور اس میں کلائی سے اوپر کا حصہ بھی شامل ہے۔

۴۔ وہ روایتیں جو احرام میں عورت کے چہرے کی پوشیدگی کو حرام قرار دیتی ہیں۔

یہ بات کہنا دوران عقل ہے کہ حالت احرام کے علاوہ چہرے کا کھلا رہنا محرمات میں سے ہے اور یہ کیفیت صرف حالت احرام میں واجب ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مناسک عمرہ یا حج میں عورت مرد و زن کے ایک انبوہ کثیر میں موجود ہوتی ہے اور اگر مردوں سے چہرے کا چھپایا جانا لازم ہوتا تو یہاں اس کی رعایت زیادہ ضروری تھی۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے حالت احرام میں ایک عورت کو نپکھے سے اپنا چہرہ چھپائے ہوئے دیکھا۔ آپ نے خود اپنے ہاتھ کی چھڑی کے ذریعے نپکھے کو اس کے چہرے سے دور کیا۔

بعض روایتوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حالت احرام میں عورت کا کھلا چہرہ مرد کے کھلے سر کی طرح ایک مقصد کا حامل ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں موسم کی گرمی اور سردی کی تکلیف برداشت کریں۔ ایک

حدیث میں ہے کہ ایک عورت حالت احرام میں نقاب اوڑھے ہوئے تھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا، اپنے چہرے سے نقاب ہٹاؤ کیونکہ نقاب تمہارے چہرے کی زینت کو متغیر ہونے نہیں دیتا۔ یعنی دھوپ تمہارے چہرے پر اثر انداز ہونی چاہیے۔

پس مرد کے کھلے سر اور عورت کے کھلے چہرے کا مقصد یہ ہے کہ ان آسائشوں میں کمی واقع ہو جن میں وہ عام حالات میں رہتے تھے لیکن چونکہ شارع مقدس یہ چاہتے تھے کہ پردے کا قانون اپنی جگہ باقی رہے اس لیے انہوں نے عورت سے یہ نہیں کہا کہ وہ اپنا سر کھلا رکھے بلکہ صرف چہرے کے کھلا رکھنے پر اکتفا کیا اور اگر شارع حالت احرام میں پردے سے صرف نظر کرنا چاہتے تو ممکن تھا کہ وہ عورت کے لیے بھی سر کی بے ہنگی کو لازم قرار دیتے۔ فقہاء میں سے ہرگز کسی نے یہ نہیں کہا کہ شارع علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ حالت احرام میں پردہ سے متعلق استثناء کو ملحوظ نہ رکھا جائے۔

اس سلسلے میں تاریخ اسلام اور شیعہ سنی مکاتب فکر میں بڑی کثرت سے ناقابل انکار دلیلیں اور روایتیں موجود ہیں۔ جو کچھ ہم نے یہاں بیان کیا ہے وہ صرف ایک نمونہ تھا۔ تمام دلائل اور روایات کو نقل کرنے کے لیے خود ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔

مخالف دلائل

چہرے اور کلاہوں تک دونوں ہاتھوں کو چھپانے کے وجوب میں ذیل کے دلائل سے استفادہ کیا گیا ہے:

۱۔ مسلمانوں کی سیرت

یہ ٹھیک ہے کہ ظاہر آیات اور روایات چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری قرار نہیں دیتیں لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ مستدین افراد کی سیرت اس کے برخلاف رہی ہے۔

سیرت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے آسانی کے ساتھ چشم پوشی کی جاسکے۔ اگر حقیقتاً مسلمانوں کی سیرت صدر اسلام سے آج تک ایک تسلسل کے ساتھ یہ رہی ہو کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپایا جائے تو یہ ایک واضح دلیل ہوگی کہ مسلمانوں نے اسے جناب رسالتاً اور ائمہ اطہارؑ سے سیکھا ہے۔ اصطلاحاً کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی استمراری سیرت رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ کی آئینہ دار ہے اور سیرت مطہیرہ یعنی سیرت نجات ہے۔ بہت سے فقہاء اثبات احکام میں سیرت مسلمین سے تمسک مالتے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی مونڈھنے کی حرمت کے باب میں محکمترین دلیل مسلمانوں کی سیرت ہی کو سمجھا جاتا ہے لیکن مسلمانوں میں جو ڈاڑھی نہ مونڈھنے کا رواج ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا فعل حرام نہیں ہے مگر اس سے ڈاڑھی رکھنے کا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ عمل مستحب یا مباح ہو۔ اسی طرح سے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے میں بھی مسلمانوں کی سیرت سے تمسک کیا گیا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں ایک تاریخی اور اجتماعی نکتہ پر توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ عربوں میں پردہ رائج نہیں تھا اور اسلام نے اسے جاری کیا تاہم غیر عرب قوموں میں یہ سخت ترین صورت میں موجود تھا۔

ایران میں یہودیوں اور یہودی افکار کی پیروی کرنے والی قوموں کے درمیان پردہ، اسلامی نقطہ نظر سے کہیں زیادہ سخت اور شدید تھا۔ ان قوموں میں چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی چھپائے جاتے تھے بلکہ بعض قوموں میں چہرے اور زیبائش تو درکنار خود ثورت کو ہی مردوں کے سامنے نہیں آنے دیا جاتا تھا۔ گو اسلام نے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کو واجب قرار نہیں دیا لیکن اسے حرام بھی نہیں گردانا۔ یعنی اسلام نے نہ تو چہرے کو چھپانے کی مخالفت کی ہے اور نہ ہی اسے کھلا رکھنے کو واجب جانا ہے۔ چنانچہ وہ غیر عرب قومیں جو مسلمان ہوئیں اپنی اسی قدیم رسم و عادت پر باقی رہیں۔ اسلام نے حالتِ احرام کے علاوہ چہرے کو چھپانے کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ جس طرح ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کا استثناء آسانی فراہم کرنے کے لیے ایک چھوٹا ہے اور اسلام کا اخلاقی رجحان تا حد امکان ستر پوشی کی طرف ہے لہذا اگر بالفرض کوئی ایسی عادت جاریہ موجود ہو تو یہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے کے وجوب کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

اس کے علاوہ ایسی سیرت رسالتاً صابہ، صحابہؓ اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں موجود نہیں تھی۔ تاریخی حقائق سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی سیرت بعد کی صدیوں میں آنے والے مسلمانوں سے مختلف رہی ہے اور عربوں کے دوسری قوموں سے اختلاط اور خصوصاً مشرقی روم کی شاہی رسم و رواج اور پھر عادات و اطوار سے اثر پذیر ہونے کے بعد اس کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ اکثر مغربی مورخین کو جنہیں اسلامی مصادر سے صحیح طور پر واقفیت نہیں ہے یہ واہمہ

ہونے لگا کہ اسلام نے بنیادی طور پر پردے کے بارے میں کوئی احکامات صادر نہیں کیے ہیں اور پردے کی رسم دوسری قوموں سے مسلمانوں میں درآئی ہے۔ چنانچہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں اس گفتگو کو نقل کر چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ سنسکرتین کی یہ تمام باتیں محض لغویات ہیں اور اسلام پردے کے معاملے میں بڑے سخت احکامات کا حامل ہے اور یہ پردے کا ایک خاص فلسفہ بھی رکھتا ہے۔

پس اولاً تو مسلمانوں میں اس طرح کی عادت جاریہ کا کوئی وجود ہی نہیں رہا ہے اور بالفرض اگر ایسی سیرت مسلمانوں کے درمیان موجود بھی ہوتی تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام کا عمل کیا تھا، کیا یہ طریقہ ان کی سیرت سے ہم آہنگ ہے؟ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے بلکہ بعض متذکرہ روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ معصومین علیہ السلام کا عمل بھی موجودہ صدی کے مسلمانوں کے طرز عمل سے مختلف تھا۔

مسلمانوں کی سیرت سے تمک کے لیے ایک گہرے تاریخی جائزے کی ضرورت ہے۔ قوموں کے کردار اور عمل میں ہزاروں تبدیلیاں تغیرات رونما ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ کسی جوش و خروش کے حامل نہیں ہوتے اس لیے تاریخ انہیں اپنے دامن میں نہیں لیتی اور ان کے بارے میں سکوت اختیار کرتی ہے۔ مردانہ لباس کی وضع میں موجودہ صدیوں میں اتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ جن کا شمار ناممکن ہے۔

سیرت مسلمین کے مطالعہ کے بعد اب ہم اسے سیرت نبوی سے ماخوذ نہیں کہہ سکتے اور یہ ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اگر ہمارے لیے یہ سیرت اور یہ روش جناب رسالتاً کے دور سے ثابت بھی ہو جائے تو بھی چہرہ چھپانے کے وجوب پر نہیں بلکہ صرف اس کے جواز پر دلیل ہوگی۔ آپ کی روش

زیادہ سے زیادہ اس کی ارجحیت کو ثابت کرے گی اور جیسا کہ ہم ”وان يستعطفن خیر لہن“ کی آیت کی تفسیر میں پہلے عرض کر چکے ہیں کہ لفظ ”تستر“ کی جتنی زیادہ رعایت کی جائے گی شارع کے مقصد کی زیادہ بہتر پیروی ہوگی۔

شہید ثانی رضوان اللہ علیہ نے مسالک میں اس مسئلہ کے دلائل پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کی روش اور ان کے اتفاق عمل کی گفتگو کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے:

”ودعوی التفاق المسلمین علیہ معارض بمثلہ ولو

لم یلزم منہ تحدید ہذا المقدار لجواز استناد

منعہن الی العروہ والغیرہ بل هو الاظہر او

علی وجہ الکافضیہ اذ لاشک فیہا“

یعنی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپائے جانے پر مسلمانوں کے اتفاق کا دعویٰ مطرود ہے۔ اولاً اس دلیل کی بنیاد پر کہ اس اتفاق کے علاوہ اس کی ضد بھی نقل ہوتی ہے یعنی یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ سیرت ہمیشہ رہی ہے کہ عورتیں اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھتی تھیں، اس سے پہلے جناب شہید ثانی نے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کھلا رکھنے کے حامیوں کی ایک دلیل کو اس طرح بیان کیا ہے۔

الاطباق الناس فی حعل عصر علی خروج النساء علی

وجہ یعصد منہ بدو ذلک من غیر تکبیر

یعنی لوگوں کا عمل ہر زمانے میں یہ رہا ہے کہ عورتیں اس کیفیت کے ساتھ گھر سے باہر نکلتی تھیں کہ ان کے چہرے دکھائی دیتے تھے اور کوئی اسے قابل اعتراض نہیں سمجھتا تھا۔“

ثانیاً اگر ہم فرض کر بھی لیں کہ مسلمانوں کا عمل چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے پر ہا ہے تو جب بھی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی، اس لیے کہ سیرت اسی وقت دلیل ہو سکتی ہے جب فرمان پیغمبرؐ بھی اس کی تائید کرتا ہو لیکن یہاں اس سیرت کی اساس غالباً حسن غیرت و مردانگی ہے نہ پیغمبرؐ کے حکم کی اطاعت اور ظاہر بھی یہی ہوتا ہے کہ اس روش کی بنیاد لوگوں کی حسن غیرت اور مردانگی پر ہے۔

احتمال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرز عمل کی بنیاد زیادہ بہتر اور با فضیلت پردہ پر ہے اس لیے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہ فرض جواز ڈھانپنا نہ ڈھانپنے سے زیادہ افضل ہے۔

۲- اساس حقیقی

چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے کی ضرورت پر دوسری دلیل سلاک کی بنیاد پر استوار کی گئی ہے یعنی وہ فلسفہ کہ جو تمام بدن کو پوشیدہ رکھنے کا قائل ہے۔ وہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ کیا بدن کے تمام حصوں کے چھپائے جانے کا سبب ان کی فتنہ انگیزی کے سوا کچھ اور ہے؟ چہرے کا حسن اور اس کی فتنہ انگیزی دوسرے اجزا بدن سے کمتر نہیں بلکہ بیشتر ہے لہذا یہ بات معقول نہیں کہ بالوں کا چھپانا ان کے حسن اور فتنہ انگیزی کے سبب واجب ہو اور مکرہ حسن ہونے کے باوجود بھی چہرے کا چھپانا واجب نہ ہو۔ دین اسلام ہر اس چیز پر پابندی عاید کرتا ہے جو پاکدامنی کو ضائع کرنے اور ترغیب شہوات کا باعث ہو۔ کیا اس اصل اساس کی موجودگی میں یہ ممکن ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا چھپنا ضروری نہ

سمجھا جائے۔

اس استدلال کے جواب میں ہماری گزارش یہ ہے کہ بے شک چہرے اور ہاتھوں کا استثناء اس لیے نہیں ہے کہ اس میں وہ فلسفہ موجود نہیں ہے جو پردے کی اصل اساس ہے بلکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور قدیم مفسرین کے حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں کہ اس استثناء کا سبب ایک دوسری اساس ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر چہرے اور ہاتھوں کے چھپائے جانے کو واجب قرار دیا جاتا تو عورت بالکل مغلوب ہو جاتی۔ عام امور کی انجام دہی اس کے لیے ممکن نہ ہوتی اور کام کرنے کے مواقع اس سے سلب ہو جاتے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کی پوشیدگی عورت کی اسیری اور عدم اسیری کے درمیان ایک سرحد ہے اور پردے کا مفہوم اور اس کا اثر اس عمل کے اصنافہ یا اس کے حذف سے یکسر بدل جاتا ہے۔ اس گفتگو کو زیادہ بہتر طور پر سمجھانے کے لیے اصول فقہ سے منعلق ایک وضاحت ضروری ہے:

اصولیین کہتے ہیں مباح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اقتصائی اور دوسرے لاقصنائی۔ بعض امور نہ ایسی مصلحت کے حامل ہیں کہ شارع انہیں واجب قرار دے اور نہ ایسی برائی ان میں ہے کہ ان کی تحریم کا سبب قرار پائے۔ ایسے امور چونکہ وجوب یا حرمت سے متعلق کسی بنیاد پر استوار نہیں ہیں اس لیے مباح سمجھے جاتے ہیں اور اسی لیے انہیں مباح لاقصنائی کہا جاتا ہے۔ شاید بیشتر مباحات اسی نوعیت سے متعلق ہوں۔

لیکن بعض دیگر امور کے مباح ہونے کا سبب وہ حکمت ہے جو ایسی چھوٹ کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یعنی اگر شارع اس امر کو مباح قرار نہ دے

تو اس سے کوئی مشکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے مباحات کو مباح اقتصافی کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے مباح میں اس کے کرنے یا نہ کرنے سے متعلق ممکن ہے کوئی مصلحت یا برائی موجود ہو لیکن شارع زیادہ اہم مصلحت کو پیش نظر رکھتا ہے۔

وہ مباحات جو کسی حرج کے سبب مباح قرار دیے گئے ہیں اسی نوعیت کے ہیں۔ شارع کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اگر وہ لوگوں کو بعض امور سے روکنا چاہے تو زندگی ان کے لیے اجبرن ہو جائے گی لہذا اس نے اس کی تحریم سے صرف نظر کیا ہے۔

اس کی بہترین مثال طلاق کا مسئلہ ہے۔ اس میں کوئی فک نہیں کہ اسلام میں طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے یہاں تک کہ اسے بدترین مباح اور ابغض الاحلال کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود شارع مقدس نے اس کی تحریم کا حکم نہیں دیا بلکہ مرد کو اپنی عورت کو طلاق دینے کا اختیار دیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل شارع کی نظر میں مبغوض و منقور ہے تو پھر اس نے اسے حلال کیوں قرار دیا ہے؟ اور اگر قابل نفرت نہیں ہے تو پھر اس کے لیے اتنی مذمت کا کیا سبب ہے؟ اور بنیادی طور پر ابغض الاحلال کسے کہتے ہیں؟

محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاری اپنی زوجہ ام ایوب کو طلاق دینا چاہتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: "ان طلاق ام ایوب محبوب" یعنی ام ایوب کو طلاق

دینا بڑا افسوسناک امر ہے۔

لیکن اگر ابو ایوب اپنی زوجہ کو طلاق دیدیتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم یہ ہرگز نہ فرماتے کہ طلاق باطل ہے۔

اس مفہوم کا راز کیا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شے حرام کی حد تک
اور بہت سے حرام امور سے زیادہ قابل نفرت اور ناپسندیدہ ہو لیکن کسی
خاص مصلحت کی بنا پر حرام نہ ہو۔

طلاق کے بارے میں اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ
شادی کی بنیاد کو جبر اور زبردستی پر قرار دے۔ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی
زوجہ کو دلی سے چاہے اور عورت ایک محبوب کی طرح گھریں رہے گویا کہ گھریلو
قاعدے اور قانون کی اساس محبت ہے۔

عشق اور محبت میں زور اور زبردستی نہیں۔ یہ درست نہیں کہ قانون
عورت کو زبردستی مرد سے ہمکنار کرے۔ جب عورت اور مرد میں تعلق خاطر نہ ہو
تو فطرتاً گھریلو ماحول کی اساس متزلزل ہوگی، خاص طور پر اگر مرد، عورت سے
متنفر ہو تو معاملہ اور بھی بگڑ جاتا ہے کیونکہ گھریلو زندگی کی باگ ڈور مرد کے ہاتھ
میں ہوتی ہے۔ اگر مرد یہ چاہے کہ عورت، اس کی طبیعت کے مطابق اس سے
محبت کرے اور وہ اسے پسند کرتا ہو تو عورت جو اپنی نفرت کے مطابق محبوب
رکھنے کی بجائے محبوب ہونے کو اہمیت دیتی ہے۔ یعنی وہ اس مرد کو چاہتی
ہے جو اسے چاہے۔ وہ مرد اس کے نزدیک قابل محبت ہے جو اس کا محب
ہو لہذا گھریلو زندگی کی کلید مرد کے ہاتھ میں ہے اور جو نسبی عورت سے مرد کی دلچسپی
ختم ہوتی ہے گھریلو ماحول میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ماحول کو جو محبت،
چاہت اور خلوص سے استوار ہوتا ہے، قانون کے زور سے قائم نہیں رکھا

جاسکتا۔ عورت نوکرانی یا مزدور کی طرح نہیں ہوتی کہ قانون اسے زور اور برادرتی سے خانہ داری پر حیراً برقرار رکھ سکے۔

اسلام نے ایسی تدابیر اختیار کی ہیں کہ جن سے زوجین کے درمیان سردولی اور بے مہری پیدا نہ ہو اور مرد پوری چاہت اور رغبت کے ساتھ اپنی بیوی کی شمع وجود کے گرد پروانہ وار گردش کرے لیکن اگر ناراضگی اور جدائی کے اسباب فراہم ہوں اور مرد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اگرچہ اسلام اس امر کو نہایت برا سمجھتا ہے لیکن اس کی راہ نہیں روکتا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔

یہ امر اقتضائی مباحات کا ایک واضح نمونہ ہے۔

پردے کے باب میں بیشتر استثناء اسی طرح کے ہیں، خواہ وہ استثناء محارم کے باب میں ہوں یا اس کا تعلق پردے کے حدود سے ہو۔ لہذا محارم (یعنی غیر از شوہر) کے باب میں عورت جتنی زیادہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اسی قدر بہتر ہے۔

باپ بیٹے، چچا اور بھائی جیسے محارم میں جن کا شمار پہلے درجہ میں ہوتا ہے جنسی پہنچ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے لیکن عورت اگر جوان اور خوبصورت ہو تو بعد کے درجات میں خاص طور پر سسر اور سوتیلے بیٹے جیسے سبھی محارم میں ناپید نہیں ہوتا۔ ایسے مقامات میں شارع کی چھوٹ صرف ضرورت اور ان معاشرتی لوازم کے تحت ہے کہ جن میں محارم سے اجتناب ممکن نہیں ہے۔ سوچنے کا مقام ہے کہ اگر عورت کے لیے بھائی اور باپ سے پردہ واجب ہوتا تو گھر، بلوغت کی کتنی دشوار ہو جاتی۔

باپ، چچا اور بھائی کے باب میں فطرتاً جنسی رغبت کا وجود ناقابل تصور

ہے۔ تاہم استثنائی صورت میں بے راہ روافراد کی بات دوسری ہے لیکن سوتیلے بیٹے سے پردہ نہ کرنے کا سب سے بڑا سبب دشواری اور حرج ہے۔ اگر کسی شخص کی حسین و جمیل بیوی ہو اور پہلی بیوی سے نوجوان بیٹا بھی ہو تو وہ بیٹا ہرگز اپنے باپ کی زوجہ کے ساتھ ایک حقیقی ماں کی طرح نہیں رہے گا۔ اس بنا پر بعض علماء سے ترک پردہ کا مباح ہونا بھی اس لیے ہے کہ گھر یلو زندگی میں رکاوٹ اور سختی پیدا نہ ہو۔ ہم نے سورہ نور کی آیت ۶۸ سے استفادہ کیا ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے: ”طَوَّفُونَا عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ“ صاحب کشف جیسے بعض مفسرین نے بھی اس آیت کے ذیل میں مذکورہ نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ہم نے بارہا اس بات کی تکرار کی ہے کہ ایسے استثناءء حرج اور دشواری کی بنیاد پر کیے گئے ہیں نہ کہ ان میں تحریم کی ضرورت نہیں لہذا پردے کی جتنی رعایت کی جائے بہتر ہے۔ یعنی عورت اور مرد کی ایک دوسرے سے دوری، پردہ، ترک نظر اور ہر وہ چیز جو انسان کو جنسی مسائل سے دور رکھتی ہے اس میں شامل ہے، تاہم امکان ان تمام چیزوں کی رعایت ضروری ہے۔

اگر کوئی یہ پوچھے کہ جس کلاس یا مجلس میں مرد وزن دونوں شریک ہوں اور عورتیں کافی حد تک پردہ کرتی ہوں، اگر وہ سب ایک ہی جگہ بیٹھیں تو بہتر ہے یا یہ کہ عورتیں ایک طرف اور مرد دوسری طرف اپنی نشست قائم کریں؟

جواب یہ ہے کہ بہر حال ان کا الگ بیٹھنا بہتر ہے۔

کلی طور پر اصل ضرورت و احتیاج پر نظر رکھنی چاہیے۔ کہیں اس شرعی چھوٹ کو ہانہ بنا کر اجنبی مرد اور عورتیں حجاب سے دستبردار نہ ہو جائیں اور آپس کی ملاقاتوں کے برے نتائج کو ذہن سے نکال بیٹھیں۔

کوئی خواہش جنسی قوت کی طرح سرکش اور حساس نہیں ہے۔ اجنبی

عورت اور مرد کو اس حد تک ایک دوسرے سے دور رکھنے کی اسلامی کوشش کہ جہاں کوئی خرابی پیدا نہ ہونے کی پہلو کی حامل ہے اور علم نفسیات سو فیصد اس مسئلہ کی تائید کرتا ہے۔ تاریخ اور حکایات بھی اس امر کی حمایت کرتی ہیں کہ کبھی ایک ملاقات یا ننگا ہوں کا ایک ٹکراؤ لمحہ بھر میں بے بسائے گھر کو تباہ کر دیتا ہے۔

تمام گناہوں کے مقابل اپنے تقویٰ پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے لیکن جنسی غریزہ سے متعلق گناہوں کے باب میں یہ طاقت بے اثر ہے۔ اسلام نے تقویٰ اور ایمان کو باوجود ایک مضبوط ترین اخلاقی قوت کے، جنسی تحریکات اور اس غریزہ کی رسائی کے مقابل ایک مکمل رکاوٹ نہیں جانا ہے۔

حافظ شیرازی اپنی مشہور غزل میں جس کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ:

نقد ہلا بود آیا کہ عیاری گیرند تا ہمہ صومعہ داران پی کاری گیرند

کتنے عمدہ اور لطیف پیرائے میں کہتے ہیں:

قوت بازوی پر ہیز بہ خوباں مفروش کہ در این خیل حصاری بہ سواری گیرند

۳۔ ایک اور روایت

چہرے اور دونوں ہاتھوں کے چھپانے کو ضروری جانتے والوں کی تیسری دلیل کتب حدیث میں نقل شدہ وہ روایت ہے جسے شہید ثانی علیہ الرحمہ نے ”مسائل“ میں استدلال کے بعد نقل کیا ہے اور روایت کا مضمون یہ ہے:

”حجۃ الوداع میں ایک عورت کوئی مسند پوچھنے کے لیے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

حضرت فضل بن عباس آنحضرت ص کے پیچھے کھڑے تھے جناب

فضل اور اس عورت کے درمیان کچھ نگاہوں کا رد و بدل ہوا۔

آنحضرتؐ اس امر کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے دیکھا کہ وہ
مسد کے جواب پر توجہ دینے کی بجائے اپنی پوری توجہ
جناب فضل کی طرف کیے ہوئے ہے جو ایک خوبصورت اور
نوخیز نوجوان تھے۔ آپ نے اپنے دستہائے مبارک سے
فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیرتے ہوئے فرمایا، ایک
عورت اور ایک نوجوان مرد، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں
شیطان درمیان میں نہ آکودے لیے۔“

جناب شہید ثانی رضوان اللہ علیہ اس استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں:
”غیر روایت چہرے کو چھپانے کے وجوب اور حرمت نگاہ پر
دلیل نہیں بلکہ اس کے عدم وجوب پر دلیل ہے۔ اس کے
علاوہ اس میں اجنبی چہرے پر نگاہ ڈالنے کا جواز بھی پایا
جاتا ہے۔“

ہم حضرت شہید ثانی علیہ الرحمہ کے بیان کی توضیح اس طرح کرتے ہیں:
سب سے پہلے اس حدیث کے مطابق جناب سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے سے باز نہیں رکھا کہ جس کے
سبب سے اس طرح کا معاملہ پیش آیا۔ اس کے بعد خود جناب رسول خداؐ مسئلہ
کا جواب دیتے ہوئے اس عورت کا چہرہ دیکھتے رہے۔ تیسرے یہ کہ اس واقعہ
سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں (اس عورت اور فضل بن عباس) کی نگاہیں
شہوت آلود تھیں۔ بے شک اس طرح کی نگاہوں کا رد و بدل حرام ہے اسی لیے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فضل کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا تھا۔ چوتھے یہ کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ نے اس عورت کو چہرہ چھپانے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ ان دونوں کو شہوت آلود نگاہوں سے عملاً روکا۔

شیخ انصاری نے بھی رسالہ نکاح میں اس حدیث کو ان افراد کی طرف سے نقل کیا ہے جو چہرے کے چھپائے جانے کے وجوب اور حرمت نگاہ کے حامی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ حدیث زیادہ تر ان کے دعوؤں کے برخلاف دلیل فراہم کرتی ہے۔

۴۔ طلب رشتہ

چہرے کے چھپانے کو واجب سمجھنے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ شادی کا قصد رکھنے والے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنی منیگر لڑکی کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شادی کا قصد نہ رکھتا ہو اس کے لیے چہرے پر نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ اب ہم اس باب کی چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں:

(الف) عن ابی ہریرہ، کنت عند النبی، فاتاہ رجل
فاخبرہ ان تزوج امرأة من الانصار فقتالہ
رسول اللہ انظرت الیہا؟ قال لا قال فانہب فانظر
الیہا فان فی اعین الانصار شیئا۔^۱

ابو ہریرہ کہتے ہیں، میں جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۴۔ صفحہ ۱۲۲

خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے عقد کر لیا ہے۔ رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ اس نے عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اسے دیکھو کیونکہ عام طور پر انصار کی آنکھیں معیوب ہوتی ہیں۔

ب) عن المغيرة بن شعبه انه خطب امرأة فقال
انظر اليها فانه احسرى ان يدور بينكما۔^{۱۱}

مغیرہ بن شعبہ نے کسی خاتون سے رشتہ طے کیا۔ جناب رسالتاً کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا جاؤ اسے دیکھو اس لیے کہ پہلے دیکھ کر پھر شادی کرنا تمہارے دوام ازدواج کے لیے زیادہ بہتر ہے۔
ج۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

لا باس ان ينظر الى وجهها ومعاصمها اذا اراد
ان يتزوجها۔^{۱۲}

یعنی جب کوئی شخص شادی کرنا چاہے تو اس کے لیے لڑکی کا چہرہ اور پہنچے تک ہاتھوں کو دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس حدیث کا برعکس مفہوم یہ ہے کہ اگر شادی کی بات نہ ہو تو دیکھنا جائز نہیں۔
اس استدلال کا جواب جیسا کہ فقہاء نے کہا ہے یہ ہے کہ:

سب سے پہلے تو شادی کا قصد رکھنے اور شادی کا قصد نہ رکھنے والے کی نگاہوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ شادی کا قصد رکھنے والا خریدار کی نظروں

۱۱ جامع ترمذی۔ صفحہ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ وانی۔ جلد ۱۲۔ صفحہ ۵۸۔ دسان جلد ۳۔ صفحہ ۱۱

اور کافی جلد ۵۔ صفحہ ۳۶۵۔

سے اور خریداری کے لیے دیکھتا ہے۔ گویا اسکی نگاہیں مستقلی ہیں اور عام طور پر تلمذ سے خالی نہیں ہوتیں، لہذا فقہاء کہتے ہیں کہ شادی کا قصد رکھنے والی نگاہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس میں تلمذ شامل ہوگا نکال سے خالی ہے البتہ اس کا مقصد تحقیق ہونا چاہیے نہ تلمذ لیکن شادی کا قصد نہ رکھنے والے کی نگاہ اگر تلمذ مقصود نہیں ہے تو غیر مستقلی ہوگی۔ ہم ان دونوں نگاہوں کے فرق کو سورہ نور کی آیت ۳۱ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شادی کا ارادہ نہ رکھنے والے مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کو گھورے اور خریداری کی نگاہ سے اس کا جائزہ لے۔ تاہم تنخاطب کے لیے ضروری نگاہ خالی از اشکال ہے۔

دیگر یہ کہ خواستگاری کے لیے نگاہ کے بارے میں جیسا کہ روایات اور فقہائے فتوؤں سے پتا چلتا ہے صرف چہرے اور پہنچوں تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنا ہی جائز نہیں بلکہ پورے طور پر عورت کی تمام زیبائشات کو دیکھنا جائز ہے..... بطور مثال ہم دو روایتیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ عبد اللہ بن سنان: قال قلت لا بیع عند اللہ

الرجل یبیدان یتزوج المرأة فینظر الخ

شعرھا ۹ فقال نعم انما یبیدان لیختریھا

باعتلى الثمن ۱۰

عبد اللہ بن سنان کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے

پوچھا، جب کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرتا چاہے تو کیا اس کے بالوں کو

دیکھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! ایسے کہ وہ اونچے داموں اسکا خریدار ہے۔
 یعنی انسان ازدواجی زندگی میں جس چیز کی بنیاد قائم کرتا ہے وہ ہر
 شے سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد مہر کی رقم نہیں
 ہے اس لیے کہ مہر کی رقم اونچے دام نہیں ہوتے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اس کے
 ساتھ اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اس کی ساری عمر اس کے
 ساتھ بیٹنا ہے۔

۲۔ عن رجل عن ابی عبد اللہ قال قلت لہ اینظر

الرجل الی السماء یرید تزوجھا فینظر الی

شعرھا ومحاسنھا؟ قال لا باس بذلک اذا

لم یکن منلذذاً لہ

کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شادی کا ارادہ رکھنے
 والے شخص کو کیا یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کے بال اور دیگر
 زیبائش کو دیکھے۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسکا مقصد تلافی نہ ہو۔
 اس سے یہ معلوم ہوا کہ شادی کا ارادہ رکھنے والے کے لیے جواز نظر
 صرف چہرے اور ہنچوں تک محدود نہیں ہے۔

تیسرے ہماری بحث فی الحال چہرے اور کلاہیوں تک دونوں ہاتھوں
 کو پوشیدہ رکھنے سے متعلق ہے، مرد کے لیے جواز نظر سے متعلق نہیں۔ بالفرض
 اگر ایسی روایتیں جو شادی کا قصد رکھنے والے شخص کے لیے اپنی منتخب عورت
 کے چہرے پر نگاہ کو جائز قرار دیتی ہیں وہ برعکس مفہوم بھی رکھتی ہیں یعنی شادی

کا قصد نہ رکھنے والوں کے لیے عورت کے چہرے پر نظر ڈالنا ناجائز ہو تو یہ غیر عورت کے چہرے پر مرد کی نگاہ کے عدم جواز پر دلیل ہے نہ عورت کے چہرے اور پہنچے کے چھپانے کے وجوب پر۔

۵۔ ”جلباب“ کی آیت

ایک اور دلیل جس سے تمک کیا جاسکتا ہے وہ ”جلباب“ کی آیت ہے۔
 جہاں ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَائِكَ
 الْمَوْتُ مِمَّنْ يَدْرِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيشِهِنَّ ط

(سورۃ احزاب۔ آیت ۵۹)

اے رسول تم اپنی بیبیوں، اپنی بیٹیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی اور ٹھنیوں کو اپنے سے نزدیک کر لیں۔

یہ استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ ”اپنی اور ٹھنیوں کو اپنے سے نزدیک کر لیں“ کا جملہ اس بات کی طرف کنایہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اور ٹھنیوں سے اپنا منہ ڈھانپ لیں۔ جیسا کہ زنجبیری اور فیض جیسے مفسروں نے ”کشاف“ اور ”صافی“ میں اس طرح کی تفسیر پیش کی ہے۔

لیکن ہم تحفظ عصمت کے عنوان سے کچھ کسی باب میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تفسیر بے بنیاد ہے اور ہم نے وہاں تفسیر المیزان کی طرح دیگر مفسرین کی تائید کی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کسی فقہ نے وجوب ستر کے دلائل میں اس آیت سے استفادہ نہیں کیا ہے۔

اجتماعات میں عورت کی شرکت

ہم نے موافق اور مخالف دلائل کو جس حد تک ضروری تھا بیان کر دیا۔ ہماری گفتگو سے دو باتیں سامنے آئیں۔ پہلی بات یہ کہ اسلام نے پاکدامنی کے اعلیٰ معیار اور کان، آنکھ اور ہاتھ سے مرد و زن کے نشاط اور ہمبستری بحیثیت تمام جنسی روابط پر قانونی پابندیوں کے ساتھ پوری طرح توجہ دی ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ کسی بھی عنوان سے اس پر کوئی آنچ آئے لیکن آج کی دنیا نے ان غیر معمولی انسانی اقدار سے صرف نظر کر رکھا ہے اور نقصان اٹھانے کے باوجود اس ذریعہ اصول کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہے۔

آج کی دنیا نے آزادی نسواں کے نام پر زیادہ واضح طور پر جنسی روابط کی آزادی کے عنوان سے نوجوان طبقے کی سوچ کو بگاڑ دیا ہے اور انسانی عقلوں کو ابھارنے کے بجائے ان کو ضائع کر دیا ہے۔ عورتیں گھر کی چوکھٹ چھوڑ کر سینما گھروں، پارکوں، سمندری ساحلوں اور شب نشینی کی محفلوں میں آگئی ہیں۔ آج کی عورت نے تعلیمی مراکز اور کسی جگہ کو آباد کرتے کے بجائے آزادی کے نام پر اپنے گھر کو برباد کر دیا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ درسگاہوں میں بھی ان کے منفی طرز عمل کا دخل عیاں ہے۔

اس بے راہ روی اور انسانی بندشوں سے بے توجہی تے نوجوان نسل کی تعلیمی ترقی کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ نوجوان تعلیمی مراکز سے دوری اختیار کر رہے ہیں۔ عشق و عاشقی سے متعلق جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سینما اور تھیٹروں کی رونقیں بڑھ رہی ہیں۔ عورتوں کے سنگھار کا سامان تیار کرنے والے کارخانہ داروں کی چیمبریں بھری جاتی ہیں۔ معاشرے میں

ناچنے گانے والوں کی قدر و منزلت، دانشمندی، مفکروں اور مصلح افراد سے سوگنا بڑھی ہوئی ہے۔ اگر آپ اس حقیقت کی تصدیق کرنا چاہتے ہیں تو ان مختلف مواقع کا موازنہ کریں کہ جب اس ملک میں ایک رفاہی اور مشہور ماہر امراض قلب برنارڈ جیسا کوئی دانشمند وارد ہو تو ان دونوں کی آمد کے موقعوں پر آپ نوجوان نسل کا رد عمل بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام جو خدائے تعالیٰ کا وضع کردہ جامع اور معتدل آئین ہے اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اس نے امت مسلمہ کو امت وسطیٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ کامل دین جس طرح پاکدامنی کے حصار کی شکستگی کے خطرے کی طرف پوری طرح متوجہ ہے اسی طرح سے وہ ان کے دیگر مسائل سے بھی غافل نہیں ہے۔ چنانچہ وہ عورتوں کو اجتماعات میں شرکت سے اس حد تک نہیں روکتا کہ جہاں تک وہ برائی سے بچ رہیں۔ بنا بریں اسلام نے بعض اجتماعات میں عورتوں کی شرکت کو واجب قرار دیا ہے یہاں تک کہ شوہر بھی اس کا راستا نہیں روک سکتا اور بعض مقامات میں "رخصت" پر اکتفاء کی گئی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ عورت پر جہاد واجب نہیں ہے مگر ان حالات میں جب مسلمان اور ان کا سکس دشمن کی زد پر آجائے اور سوائے دفاع کے کوئی چارہ نہ رہے تو ایسی صورت میں فقہاء کا فتویٰ ہے کہ عورتوں پر بھی جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو جہاد واجب نہیں ہوگا۔ تاہم رسول خدا نے بعض عورتوں کو اجازت دی تھی کہ وہ جنگوں میں زخمیوں کی تیمارداری کریں۔

۱۔ ایران کے ۱۹۴۸ء کے حالات کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ "مساک" آغاز کتاب جہاد۔

اس سلسلے میں تاریخ اسلام میں بہت سے واقعات محفوظ ہیں۔

عورت پر نماز جمعہ میں شرکت واجب نہیں ہے مگر موقع پر حاضر ہونے کی صورت میں ان پر اس میں شرکت واجب ہو جاتی ہے۔

نماز عیدین میں عورتوں کی شرکت واجب نہیں ہے لیکن ان کی شرکت ممنوع بھی نہیں ہے۔ تاہم باوجاہت اور صاحب جمال عورتوں کے لیے ایسے اجتماعات میں شرکت کرنا مکروہ ہے۔

جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرعہ اندازی کے ساتھ اپنی ازدواج میں سے کسی ایک کو اپنے ہمراہ سفر پر لے جایا کرتے تھے اور بعض اصحاب کا عمل بھی یہی تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی مگر ان کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ آپ پانی کا برتن لانے کا حکم فرماتے اور اپنا دست مبارک اس میں ڈال کر عورتوں کو بھی اس پانی میں ہاتھ ڈالنے کا حکم فرماتے اور اسی عمل کو عورتوں کی بیعت سے تعبیر فرمایا۔

۱۔ کتب مغازی سیر اور صد اسلام کی تواریخ ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم جلد ۵ صفحات ۱۹۶-۱۹۷ سنن ابوداؤد جلد ۲- صفحہ ۱۱۴ اور جامع ترمذی صفحہ ۲۴۷ پینز توجیدی

۲۔ وسائل، جلد ۱ صفحہ ۴۵۶۔ ۳۔ وسائل جلد ۱- صفحہ ۴۷۴

۴۔ صحیح بخاری، جلد ۷ صفحہ ۴۳۔ تمام مورخین نے اس بات کو لکھا ہے۔

۵۔ اس واقعے کو بھی مورخین اور مفسرین کی تائید حاصل ہے۔ مورخین نے اس واقعے کو فتح مکہ کے ضمن میں اور مفسرین نے سورۃ ممتحنہ کی آیت ۱۲ کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ کافی جلد ۵ صفحہ ۵۲۶ میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔

حضرت عائشہ کنتی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی غیر عورت کے ہاتھوں کو نہیں چھوا۔

آپ نے کبھی عورتوں کو جنازہ میں شرکت سے منع نہیں کیا اگرچہ اسے ضروری بھی نہیں جانا۔ البتہ اس بات کو زیادہ ترجیح دی کہ عورتیں جنازہ میں شرکت نہ کریں۔ تاہم خاص مواقع پر انہوں نے شرکت بھی کی ہے اور نماز بھی پڑھی ہے۔ ہماری روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول خدا کی بڑی (ربیبہ) بیٹی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دیگر مسلمان عورتیں آئیں اور انہوں نے نماز بھی پڑھی ہے۔

شعبی روایات کی رو سے نوجوان عورتوں کی جنازہ میں شرکت مکروہ ہے۔ علمائے اہل تسنن نے ام عطیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے ہمیں نصیحت کی کہ ہم جنازہ میں شرکت نہ کیا کریں لیکن اس سے منع نہیں فرمایا۔^۱
یزید انصاری کی بیٹی اسماء کو مدینہ کی مسلمان عورتوں کی طرف سے غماندہ بنایا گیا کہ وہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی عورتوں کا شکوہ آپ سے بیان کرے۔

اسماء اس وقت پہنچی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے۔ اس نے عرض کی:

”میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں مدینہ کی عورتوں کی نمائندگی میں آپ کے حضور پہنچی ہوں تاکہ ہم عورتوں کا یہ کہنا

۱۔ وسائل جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۶۔ ۲۔ صحیح مسلم جلد ۳۔ صفحہ ۴۰۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ صفحہ ۹۴

اور سنن ابوداؤد۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۰۔ ۳۔ انادافۃ النساء ایک۔

ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں پر
 مبعوث فرمایا ہے۔ آپ صرف مردوں کے نبی نہیں ہیں ہم
 عورتیں بھی آپ پر اور آپ کے خدا پر ایمان لاتی ہیں۔ ہم اپنے
 گھروں میں بیٹھ کر مردوں کی جنسی خواہشات کو پورا کرتی ہیں اور
 ان کے فرزندوں کو اپنے حکم میں جگہ دیتی ہیں لیکن ہم دیکھتی
 ہیں کہ عظیم، مقدس اور قابل قدر اجر و ثواب کے اعمال
 مردوں کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں اور ہم محروم ہیں۔

جمعہ اور جماعت، مریضوں کی عیادت، جنازے میں شرکت
 حج مکر اور سب سے بڑھ کر راہِ خدا میں جہاد کی توفیق یہ تمام
 فضیلتیں مردوں کو حاصل ہیں جبکہ حج یا جہاد پر جانے والے
 مردوں کے اموال کی رکھوالی ہم عورتیں کرتی ہیں۔ ہم آپ
 لوگوں کے لباس کے لیے چرخہ کات کر دھاگہ تیار کرتی ہیں۔
 آپ کے فرزندوں کی تربیت کرتی ہیں۔ ان تمام اذیتوں میں
 آپ کے شریک ہونے کے باوجود آخر کیوں مقدس، عظیم اور
 حاملِ اجرامور میں ہمارا حصہ نہیں ہے اور ہم اس سے محروم
 ہیں؟“

جناب رسالتاً نے اپنے اصحاب پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا:
 ”کیا تم لوگوں میں سے کسی نے ایک عورت کی زبانی دین سے
 متعلق امور میں اتنی اچھی اور منطقی گفتگو سنی ہے؟“

ایک صحابی نے کہا:
 ”میں نہیں سمجھتا کہ یہ گفتگو اس عورت کی ہی ہو۔“

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے جواب پر کوئی توجہ نہیں دی اور اسماء سے مخاطب ہو کر کہا:

”بی بی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو اور پھر ان عورتوں کو بھی سمجھاؤ جنہوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ ہر مرد تمہارے بتلائے ہوئے ان امور کے ذریعے اجراء توفیق، صلہ اور فضیلت پائے گا اور عورتیں اس سے محروم رہیں گی۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ عورت اگر اچھی طرح خانہ داری اور شوہر داری کا خیال رکھے اور گھر کے ماحول کو کدورت کے عیار سے آلودہ نہ ہونے دے تو اس کا اجراء صلہ اور فضیلت و ترقی ان تمام امور کے برابر ہوگا جنہیں مرد انجام دیتے ہیں“

اسماء ایک ایماندار عورت تھی۔ اس کا اور اس کی ساتھی عورتوں کا تقاضا ایمان کی گہرائیاں لیے ہوئے تھا۔ اس میں نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہیں تھا۔ وہ اور اسکی ہم خیال خواتین اس تشویش میں تھیں کہ کہیں ان کو سونپی گئی ذمہ داریوں کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو اور تمام مقدس اور قدر قیمت کے حامل وظائف مردوں ہی کے لیے مخصوص نہ کیے گئے ہوں۔ وہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات کی خواہاں تھیں لیکن کس موضوع میں؟ فضیلت اور تقدس و وظائف کی انجام دہی کے موضوع میں۔ جو چیز ان کے ذہن سے چھو کر بھی نہ گزری تھی وہ یہ تھی کہ وہ انفرادی یا شخصی خواہشات کو ”حقوق“ کا نام دیں اور ایک ہنگامہ بپا کریں۔

لہذا جب اس نے جواب سنا تو اس کا چہرہ خوشی سے تھمتانے لگا اور وہ

مسرت بھری کیفیت کے ساتھ اپنی مخمبیاں عورتوں کی طرف لوٹی۔

ایسے موارد میں عورتوں کی شرکت سے متعلق بہت سی متضاد احادیث و روایات کتابوں میں وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض سے شدید ممانعت کی صورت نکلتی ہے لیکن صاحب و سائل جو خود بھی بڑے زبردست محدث ہیں تمام اسلامی آثار و روایات پر نظر ڈالنے کے بعد کہتے ہیں:

ان تمام روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورتوں کے

لیے مجالس عزائم میں شرکت لوگوں کے حقوق کی ادائیگی،

جنازے کی ہمراہی یا ایسے ہی دیگر اجتماعات میں شرکت جائز

ہے جیسا کہ جناب فاطمہ زہراؑ اور دیگر ائمہ اطہار علیہم السلام

کے ازواج کا طریقہ رہا ہے۔ پس جمع بین روایات سے ظاہر ہوتا

ہے کہ ہم ممانعت کی روایات کو کراہت پر معمول کریں۔

جناب رسالتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے امور کی انجام دہی کے لیے باہر جائیں۔ آپ کی زوجہ گرامی

۱۔ اُسدالغابہ، جلد ۵، صفحات ۳۹۸-۳۹۹۔ اس واقعہ کو حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ کہانی کی چھٹی ہوئی بحار الانوار۔ جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۸ میں کافی کے حوالے سے جناب موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے: ”کان ابی ببعث امی و ام ضرہ نقضیان حقوق اهل المدینة“ یعنی میرے پردر بزرگوار امام جعفر صادقؑ، میری اور اپنی والدہ گرامی کو مدینہ کے حاجت مندوں کی حاجت روانی کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ ۳۔ وسائل۔ جلد ۱، صفحہ ۷۲۔

جناب سودہ بنت زمعہ ایک دراز قد خانوں تھیں۔ ایک شب وہ جناب رسول اللہ کی اجازت سے کسی کام کے سلسلے میں باہر نکلیں۔ رات ہونے کے باوجود قد کی بلندی کی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب نے انہیں پہچان لیا۔ وہ اس معاملے میں بڑے سخت آدمی تھے اور بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید کیا کرتے تھے کہ آپ اپنی عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہ دیں۔ حضرت عمر نے بڑے سخت لہجے میں جناب سودہ سے کہا کہ تم سمجھتی ہو کہ ہم نے تمہیں نہیں پہچانا ایسا نہیں ہے، آئندہ باہر نکلنے میں احتیاط سے کام لو۔ جناب سودہ وہیں سے واپس لوٹیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ اس وقت آپ رات کے کھانے میں مصروف تھے اور ایک بڑی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ پر حالت وحی طاری ہوئی اور جب آپ اپنے حال میں واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا:

انہ قد اذن لکن ان تخرجن لحوادثکم۔ یعنی
تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنی احتیاجات کے
تحت گھر سے باہر نکلو۔

جیسا کہ تواریخ اور احادیث سے مجموعی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر صحابہ میں اپنی طبیعت کی سختی اور ایک طرح سے مزاج کی گرمی کی وجہ سے جو انکی خصوصیت تھی عورتوں کے بارے میں بڑے سخت گیر واقع ہوئے تھے اور مکمل طور پر ان کی خانہ نشینی کی حمایت میں تھے۔

”جاہظ البیان والبتیین“ کی جلد ۲ صفحہ ۹۰ اور جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ میں

حضرت عمر کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے:

”اکثروا لہن من قول ”لا“ فان ”نعم“ لیضرب لیلہن
 علی المسائلہ یعنی عورتوں کو زیادہ تر ”نہیں“ کہنا چاہیے
 کیونکہ ”ہاں“ ان کی خواہشات کو جرات بخشتا ہے۔

صاحب تفسیر کشف سورہ احزاب کی آیت ۵۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں:
 حضرت عمر کو اس بات میں بہت زیادہ دلچسپی تھی کہ رسول خدا
 کی ازواج پردے میں رہیں اور باہر نہ نکلیں۔ یہ بات وہ اکثر
 اپنے موضوع گفتگو میں لایا کرتے تھے۔ وہ ازواجِ پیغمبر سے
 کہا کرتے تھے ”اگر میرے بس میں ہوتا تو کوئی آنکھ تمہیں
 نہیں دیکھ سکتی تھی۔“ ایک دن وہ ازواجِ رسول کی خدمت
 میں حاضر ہوئے اور کہا آخر تم لوگ دوسری عورتوں سے مختلف
 ہو۔ جس طرح تمہارا شوہر دوسرے مردوں سے مختلف ہے
 تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم پردے میں رہو۔ رسول اللہ کی زوجہ
 محترمہ جناب زینب نے فرمایا: ”اے خطاب کے بیٹے وحی ہمارے
 گھبراتری ہے اور تم ہمیں غیرت سکھاتے ہو اور ہمارے لیے
 تکلیف معین کرتے ہو؟“

سنن ابن ماجہ میں در ذیل باب ”ما جاء فی ابکاء علی المیت“

حدیث نمبر ۱۵۸۷ میں آیا ہے:

”جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے جنازہ
 میں شرکت فرمائی جس میں مرنے والے کی ایک رشتہ دار عورت
 شریک تھی۔ حضرت عمر نے اس عورت کو بہت ڈانٹ ڈپٹ کی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”چھوڑو اے عسکر! آنکھیں اشک بار، دل داغدار اور غم تازہ ہے۔“
 اس قسم کے واقعات حضرت عمر کے حالات زندگی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں حتیٰ کہ نقل کرتے ہیں:

”حضرت عمر کی زوجہ جناب عائکہ کی ہمیشہ مسجد جانے کے سلسلہ میں اپنے شوہر سے بات ہوتی تھی۔ حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جا کر نمازیں شرکت کرے لیکن جناب عائکہ کو اصرار تھا کہ وہ شرکت کریں گی۔ وہ شوہر کی ممانعت سے لوگوں کو نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ حضرت عمر بھی واضح اور صریح طور پر انکار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ جب وہ جناب عائکہ کی خواہش کے بارے میں خاموشی اختیار کریں وہ مسجد میں نہ جائیں اس لیے جب وہ اپنی خواہش کا اظہار کرتیں تو حضرت عمر خاموش ہو جاتے۔ مگر حضرت عائکہ کہتی تھیں خدا کی قسم جب تک تم اپنے منہ سے واضح طور پر منع نہیں کرو گے میں مسجد جاتی ہی رہوں گی۔“^۱

صحیح بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:
 ”میری بڑی خواہش تھی کہ مجھے کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے اور میں حضرت عمر سے پوچھوں کہ وہ عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

۱۔ ”پردہ“ مولانا مودودی۔ صفحہ ۳۱۸۔ نقل از موطای امام مالک۔

اِنْ تَسُوْا بِاٰرِئِ اللّٰهِ فَقَدْ صَفَتْ قُلُوْبُكُمْ جِئْتُمْ يٰهَا نَمَك
 کہ حج کے سفر میں میرا ان کا ساتھ ہوا۔ ایک دن مجھے موقع ہاتھ
 آیا اور میں نے وضو کا پانی ان کے ہاتھوں پر ڈالتے ہوئے پوچھا
 اے امیرالمومنین! وہ دو عورتیں جن کی طرف قرآن مجید اشارہ
 کرتا ہے اور کہتا ہے: اِنْ تَسُوْا بِاٰرِئِ اللّٰهِ فَقَدْ صَفَتْ
 قُلُوْبُكُمْ کون ہیں؟ حضرت عمر نے کہا تعجب ہے کہ تم مجھ
 سے ایسا سوال پوچھتے ہو، وہ عائشہ اور حفصہ ہیں۔ اس کے بعد
 حضرت عمر نے داستان کی تفصیل یوں بتائی:

میں اور انصار میں سے ایک شخص شہر مدینہ کے بالائی حصہ میں
 رہائش پذیر تھے جو مرکزی شہر اور مسجد سے خاصا دور تھا۔ ہم
 نے آپس میں باری باندھ رکھی تھی کہ ہر کوئی ایک دن چھوڑ کر
 مدینہ کے مرکزی حصہ اور مسجد میں جایا کرے گا اور وہاں پیش
 آنے والے تازہ واقعات واپس آکر دوسرے کو سنایا کرے گا۔
 ہم اہل قسریش مکہ میں اپنی عورتوں پر مسلط تھے مگر مدینہ

لہ سورۃ تحریم۔ آیت ۴۔ یعنی اگر تم دونوں نے توبہ کر لی (تو یہ بجا اور ضروری ہے) اس
 لیے کہ تمہارے دل ٹرھے ہو چکے ہیں۔ یہ آیت جناب رسالتؐ کی دو ازواج سے
 متعلق ہے جن سے آپ نے لازکی بات کی تھی مگر وہ خطا کی ترکیب ہوئیں اور انہوں
 نے اسے فاش کر دیا۔

لہ ایک اور روایت جسے صحیح مسلم کی چوتھی جلد میں صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ
 حضرت عمر کہتے ہیں: واللہ ان کنا فی الجاہلیہ ما نعد (باقی اگلے صفحہ پر)

کے لوگ اس کے برعکس تھے۔ ان کی عورتیں ان پر تسلط رکھتی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ عادت ہماری عورتوں پر اثر انداز ہونے لگی۔ ایک دن میں نے اپنی شریک حیات پر برہمی کا اظہار کیا۔ میری توقع کے برخلاف اس نے مجھے جواب دیا۔ میں نے بگڑ کر کہا، تم مجھے جواب دینے لگی ہو؟ اس نے کہا شاید تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیاں ان سے کوئی جھجک نہیں رکھتیں اور آپ سے تین پانچ کرتی ہیں اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ کی ایک زوجہ تمام دن آپ سے ناراض رہی ہے۔ یہ سن کر مجھے سخت غصہ آیا۔ میں نے کہا خدا کی قسم رسول خدا سے ایسا کرنے والا بڑا بد نصیب ہے۔ میں نے فوراً اپنا لباس تبدیل کیا اور شہر میں اپنی بیٹی حفصہ کے پاس پہنچا اور اس سے کہا میں نے سنا ہے کہ تم گاہے تمام دن رسول کی ناراضگی کا سبب بنی رہی ہو۔ اس نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ میں نے کہا میری سچی تم نے اپنا سب کچھ کھو دیا اور تمہیں یہ کیا بھروسہ ہے کہ خداوند عالم جناب رسالتاً کی خاطر تم پر غضبناک نہ ہو۔ میری بیٹی میری بات سنو اسکے بعد جناب رسالتاً سے نہ تیزی اختیار

دیکھئے سفر سے آگے، للنساء امر احتی اسئل اللہ تعالیٰ فی ہن ما اسئل و قسم لہن ما قسم..... یعنی خدا کی قسم ہم ہمد جاہلیت میں عورتوں کے لیے کسی بندی و برتری کے قائل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان کے بارے میں آیتیں نازل فرمائیں اور ان کے حقوق و مفادات کا تعین کیا۔

کرو اور نہ ہی ان سے آزرہ خاطر رہو۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت
 ہو مجھ سے کہو اور اگر تم اپنی رقیب (حضرت عائشہ) کو اپنے
 سے زیادہ خوبصورت پاتی ہو تو اس میں ناراض ہونے کی بات نہیں۔
 بات گئی گزری ہو گئی۔ ان دنوں ہمیں شام کی جانب سے
 غمناکیوں کے حملے کا خوف تھا۔ ہم نے یہ خبر سنی تھی کہ وہ لوگ
 ہم پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایک دن جب میرے نصاریٰ
 دوست کی شہر میں جلنے کی باری تھی اور میں گھر میں تھا۔ میں
 نے دیکھا کہ رات کے وقت کوئی زور زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹا
 رہا ہے۔ میں گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلا تو اس نے خبر دی
 کہ ایک بہت بڑا حادثہ رونما ہوا ہے۔ میں نے کہا کیا غمناکیوں
 نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، اس سے بھی بڑا واقعہ پیش
 آیا ہے۔ اس نے جواب دیا رسول اللہ نے اپنی عورتوں سے
 کتنا کر لیا ہے۔ میں نے کہا اُف! حفصہ بے آسرا ہو گئی۔ مجھے
 پہلے سے اس بات کا خدشہ تھا اور میں نے حفصہ کو خبردار بھی
 کر دیا تھا۔

میں نے صبح سویرے لباس تبدیل کیا اور نماز کی ادائیگی کے
 لیے مسجد روانہ ہوا اور وہاں رسالتاً کے ساتھ باجماعت نماز
 ادا کی۔ آنحضرتؐ نماز سے فارغ ہو کر اپنے مخصوص کمرے میں
 داخل ہوئے اور سب سے کنا را کر لیا۔ میں حفصہ سے ملنے گیا۔
 وہ ایک گوشہ میں بیٹھی رو رہی تھی۔ میں نے کہا تم کیوں رو
 رہی ہو؟ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم پیغمبر کو اس قدر

نہ ستایا کرو۔ اچھا بتاؤ کیا، انہوں نے تمہیں طلاق دیدی ہے؟
 اس نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ میں بس یہ جانتی ہوں کہ انہوں نے
 ہم سب سے کنارہ کر لیا ہے۔ میں مسجد میں جناب رسالتؐ کے
 منبر کے قریب پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منبر کے گرد جمع
 ہو کر رو رہے ہیں۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا لیکن چونکہ
 مجھے بڑی بے چینی ہو رہی تھی اس لیے میں جناب رسالتؐ
 کے غرفہ کی سمت گیا۔ دروازے پر ایک حبشی غلام بیٹھا ہوا تھا۔
 میں نے اس سے کہا کہ جاؤ اور جا کر رسالتؐ سے کہو کہ عمر
 اندرانے کی اجازت چاہتا ہے۔ غلام گیا اور اس نے
 واپس آکر کہا کہ میں نے اطلاع پہنچائی ہے۔ مگر حضورؐ نے
 سکوت اختیار کیا ہے۔ یہ سن کر ہم منبر کے گرد جمع ہونے والے
 لوگوں میں واپس لوٹا اور کچھ دیر وہاں گزاری۔ مگر مجھ سے
 رہا نہ گیا اور پھر واپس آکر دربان سے ملاقات کی اجازت
 چاہی۔ وہ اندر گیا اور لوٹ کر اس نے پھر یہی کہا کہ میں نے
 اجازت طلب کی مگر پیغمبر اکرمؐ نے جواب نہیں دیا۔ میں تیسری
 مرتبہ منبر کے گرد جمع ہونے والے لوگوں کے درمیان پہنچا جو
 آنحضرتؐ کی ناراضگی کی بنا پر فکر مند تھے لیکن پھر مجھ سے بیٹھا
 نہ گیا۔ تیسری بار پھر میں نے دربان سے جا کر داخلہ کی
 اجازت چاہی۔ اس نے پھر لوٹ کر یہی کہا کہ پیغمبر نے سکوت
 اختیار کر رکھا ہے۔ میں مایوسی کیا تو واپس جانے لگا۔ اچانک
 دربان نے آواز دی اور کہا پیغمبرؐ نے تمہیں اجازت دی ہے۔

اب تم آسکتے ہو۔ جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ جناب رسالتاً پہلو کے بل ریت پر بیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سر ہانے کھجور کی چھال کا تکبہ تھا اور آپ کے بدن پر کنگریوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔

میں نے سلام کیا اور کھڑے ہو کر عرض کی اے اللہ کے رسول! سننے میں آیا ہے کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا اللہ اکبر اور کھڑے کھڑے گفتگو شروع کی۔ میں چاہتا تھا کہ دل لگی کا کوئی راستا کھل جائے۔ میں نے کہا ہم قریش کے لوگ جب تک مکہ میں تھے اپنی عورتوں پر مسلط تھے۔ اب ہم اس شہر میں آگئے ہیں اور بدبختی سے یہاں کی عورتیں مردوں پر مسلط ہیں۔ جناب رسالتاً نے یہ سن کر تبسم فرمایا: میں نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا میں نے پہلے ہی اپنی بیٹی حفصہ کو کہہ دیا تھا کہ اگر عائشہ تم سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ محبوب ہے تو اس میں جھنجلاہٹ کی کوئی بات نہیں۔ رسول خدا کے چہرے پر تھوڑی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ یہ دیکھ کر میں نے بیٹھنے کی جرأت کی اور اپنے اطراف میں دیکھا مگر مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی الا یہ کہ ایک طرف بکری کی تین کھالیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ اللہ آپ کی امت کو ترقی عنایت فرمائے اسی طرح جس طرح روم اور فارس کے لوگ نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ رسول خدا جو

تیکے کے سہارے آرام فرما رہے تھے اچانک اٹھ بیٹھے اور کہا
 یہ آسائشیں لطف الہی کی دلیل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان نعمتوں
 کو آخرت کی بجائے اسی دنیا میں خداوند عالم سے حاصل کر لیا ہے۔
 میں نے عرض کی میں اپنی بات پر نادم ہوں۔ آپ میرے حق
 میں دعائے مغفرت فرمائیے۔

اس کے بعد جناب رسالتاً نے ایک ماہ تک اپنی ازواج
 سے دوری اختیار کیے رکھی اس لیے کہ حضرت حفصہ نے حضرت
 عائشہ پر آپ کا راز فاش کر دیا تھا (اس لیے نہیں کہ حضور ﷺ کی
 ازواج آپ کے مقابل اپنی زبان پر قابو نہیں رکھتی تھیں جیسا کہ
 حضرت عمر کا خیال تھا) ایک ماہ بعد آپ نے اپنی ازواج سے
 رجوع فرمایا۔ اس وقت تخمیر کی آیت نازل ہو چکی تھی جس میں
 کہا گیا تھا کہ اگر ازواج رسول ﷺ سے کوئی اپنی ازدواجی زندگی
 سے ناخوش ہے تو پیغمبر کو چاہیے کہ وہ نہایت خوش اسلوبی
 سے بھاری مالی امداد کے ساتھ اسے اپنے امر میں آزاد کر دے
 تاکہ وہ جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے زندگی کا
 بندھن جوڑ لے اور جو اسی سادہ زندگی کے ساتھ پیغمبر سے نباہ
 کرنا چاہے ان کے ساتھ ازدواج قائم رکھ سکتی ہے۔ سب نے
 کمال رضایت سے کہا: ہم خدا اور اس کے رسول ﷺ کو اپنے لیے
 منتخب کرتے ہیں اور زوجیت کے اس افتخار کو اپنے ہاتھ سے
 نہیں جانے دیں گے۔

لے صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ صفحات ۳۶-۳۸ اور صحیح مسلم جلد ۴ صفحات ۱۹۲-۱۹۴

ہاں تو یہ ہے افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی روش۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اسلام جنسی آزادی کے خطرات سے بخوبی واقف ہے اور اسی لیے اجنبی مرد و زن کے میل جول اور تعلقات کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیتا اور ان حدود کا تعین کرتا ہے کہ جن کی پابندی کرنے سے کوئی برائی رونما نہ ہو۔ مختصر یہ کہ وہ عورتوں کو مردوں سے دور رکھنے کا حامی ہے۔

اسلام عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر مردوں کے اختلاط کے ساتھ نہیں۔ وہ ان کے لیے علیحدہ مقام کا تعین کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دور حیات میں عورتوں کے مسجد میں داخلہ کے لیے ایک خاص دروازے کا تعین فرمایا۔ ایک دن آپ نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

”لو ترونکنا هذا الباب للنساء“ یعنی اچھا ہے کہ اس

دروازے کو عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

بعد میں حضرت عمر نے صریحاً مردوں کو اس دروازے سے آنکلی ممانعت کر دی۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز شب کے اختتام پر پہلے عورتوں کو باہر جانے کا موقع دیا جائے اور اس کے بعد مرد باہر نکلیں۔ آپ کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ مرد و زن اختلاط کے ساتھ مسجد سے باہر نکلیں اس لیے کہ فتنے اسی اختلاط سے ابھرتے ہیں۔ جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد و زن کے اختلاط اور تقرب سے بچنے کے لیے یہ حکم فرماتے تھے کہ مرد شاہراہوں اور گلیوں کو جوں میں کنارے سے ہٹ کر اور عورتیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلیں۔

ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے باہر تشریف فرماتھے۔ آپ نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں دونوں ساتھ ساتھ مسجد سے نکل رہی ہیں۔ آپ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: بہتر یہ ہے کہ آپ مردوں کے نکل جانے تک تامل سے کام لیں۔ آپ کنارے کنارے چلیں اور مرد آپ سے فاصلے کے ساتھ راستے کے درمیان چلیں۔

اسی مناسبت سے فقہاء فتویٰ دیتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کا ایک ساتھ مل کر چلنا مکروہ ہے۔ جناب آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی (قدس سرہ) مرحوم عروۃ الوثقیٰ کی فصل اول میں زیر مسئلہ ۴۹ ارشاد فرماتے ہیں:

”یکرہ اختلاط الرجل بالنساء اللذہجائتہ یعنی مردوں اور عورتوں کا اختلاط مکروہ ہے۔ مگر وہ عورتیں جو سن رسیدہ ہوں۔

صحیح تو یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جنسی حریم نہ ہو تو وہ تصدیق کرے گا کہ اسلام کا راستہ معتدل اور متوازن ہے۔ اسلام نے جہاں جنسی روابط کی پاکیزگی کا خیال رکھا ہے وہاں عورتوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کوئی نعت پیدا نہیں کی بلکہ یہ اہتمام کیا ہے کہ اگر یہ دستور العمل ہر طرح کی افراط و تفریط کے بغیر بروئے کار آئے تو انسان اُسودگی کی نعمت سے مالا مال ہوگا۔ اس کے خانگی روابط میں مضبوطی اور خلوص پیدا ہوگا اور مرد و زن کو اپنی کوششیں بروئے کار لانے کے لیے ایک صحیح ماحول ملے گا۔

اخلاقی تاکیدات

کافی ہیں اس مضمون کی بعض روایات نقل ہوئی ہیں کہ مرد کی توجہ زمین پر ہے اور عورت کی مرد پر، پس عورتوں کو گھروں کے حصار میں قرار دو۔
خود صاحب کافی کا خیال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لڑکیوں کو جس قدر ہو سکے حصار ازدواج میں قرار دو۔

لیکن کچھ اور روایات ایسی ہیں کہ جو عورتوں کے بارے میں مردوں پر اخلاقی تاکید میں شمار ہوتی ہیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کے باہمی تعلقات کے خطرات کو ظاہر کرتی ہیں۔ صاحب وسائل نے ان روایات کو استحباب پر معمول کیا ہے۔ یہاں ہم ان کے خاص حصوں کو پیش کرتے ہیں۔

الف۔ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام جناب امام حسن مجتبیٰ کو تاکید فرماتے ہیں:

”واکففت علیہن من ابصارہن بعجابک یاہن فان شدت العجاب البقی علیہن، ولیس خروجهن باشد من ادخالک علیہن من لایوثق بہ علیہن وان استطعت ان لایعرفن غیرک فافعل“ لہ

یعنی جہاں تک ہو سکے یہ کوشش کرو کہ تمہاری زوجہ غیر مردوں سے معاشرت نہ رکھے۔ گھر سے زیادہ کوئی جگہ عورت کو تحفظ نہیں دے سکتی۔ جس طرح عورتوں کا گھر سے باہر جانا اور غیر مردوں سے معاشرت رکھنا ان کے لیے

لہ نتج البلاغہ۔ جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی امام حسن کو مشہور وصیت۔

مضر اور خطرناک ہے اسی طرح تمہارا گھر میں کسی غیر شخص کو دار و دروازہ اور اس کے ساتھ اپنی زوجہ کو نشست و برخاست کی اجازت دینا بھی خطرے سے خالی نہیں نہیں ہے۔ اگر یہ ہو سکے کہ وہ تمہارے سوا کسی اور شخص کو نہ جانے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

یہ ایک اخلاقی تاکید ہے۔ علماء اسلام اس جملے کو اخلاقی تاکیدات کے زمرے میں لاتے ہیں لیکن اگر ہم پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم شاید ”اخلاقی تاکیدات“ سے کہیں آگے نکل گئے ہوتے بلکہ ہمارا فیصلہ چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے سے بھی زیادہ شدید ہوتا اور ہم یہی استنباط کرنے کہ عورت کو گھر کی چار دیواری میں محبوس ہو جانا چاہیے۔ تاہم فقہاء نے اس مضمون کی تعبیر میں ایسا فتویٰ اس لیے نہیں دیا ہے کہ آیات و روایات اور سیرت معصومینؑ سے متعلق قطعی دلائل ان تعبیرات کے خلاف ہیں اور اسی لیے انہیں اخلاقی تعبیرات میں شمار کیا گیا ہے اور فقہ سے ان کی وابستگی نہیں رکھی گئی۔

اس طرح کے مضامین سے فقہاء نے جو استنباط کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی گفتگو دراصل دو مخالف جنسوں کے درمیان لفظیاتی رد عمل کو ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک حقیقت کو پیش کرتی ہے کہ اجنبی مرد و زن کا ایک دوسرے سے رابطہ قطعی طور پر خطرناک ہے اور یہ وہ چکنی مٹی ہے جس پر بڑے بڑے ہاتھی بھی پھسل جایا کرتے ہیں۔

کم سے کم اخلاقی امر کے طور پر اسلام جس بات کی تاکید کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مدنی اجتماع غیر مختلط ہو۔

آج کا معاشرہ مختلط اجتماع کی مضرتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش رہ کر اپنے کاموں کو انجام

دیں۔ اگر وہ دو علیحدہ حصول میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھیں تو کیا اس میں کوئی حرج یا رکاوٹ پیدا ہوگی؟

اس دوش بدوش رہنے کے طرز عمل کا اثر یہ ہے کہ یہ دونوں ہمدوشوں کو اپنے فرائض سے باز رکھتا ہے اور وہ کام پر توجہ دینے کی بجائے اپنے ہمدوش پر توجہ دینے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ بات ہمدوشی سے ہم آغوشی تک پہنچ جاتی ہے۔
ب۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا سے ایک حدیث منقول ہے، ہر چیز ہفتہ اس حدیث سے استناد نہیں کرتے لیکن اس سے اس موضوع کی صحیح توجیہ ہو سکتی ہے:

ایک دن جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا: عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہ دے سکا۔ امام حسن علیہ السلام اس مجمع میں حاضر تھے۔ آپ نے گھرا کر اس بات کا تذکرہ اپنی والدہ گرامی سے کیا۔
جناب سیدہ سلام اللہ علیہا نے فرمایا: عورت کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور اجنبی مرد کی نظر میں بھی اس پر نہ پڑیں۔^۱

یہ حدیث اخلاقی تاکیدات میں سے ہے اور نا محرم مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری کی اشد ضرورت کو بیان کرتی ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس ضمن میں آنے والی تمام شرعی رعایتیں، رکاوٹوں اور تنگیوں کو دور کرنے کے لیے ہیں لیکن ستر پوشی کی اخلاقی اہمیت مرد و زن کی ایک دوسرے سے دوری اور ان دونوں کے درمیان حدود امکان میں پردے کی برقراری اپنی جگہ پراہمیت کی حامل ہے۔

۱۔ وسائل۔ جلد ۳۔ صفحہ ۹۔ نقل از کشف الغم

حج - جناب رسالتاً صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ”یا علی اول نظره لك واثنا نیکه عليك لادك“ لہ یعنی پہلی نگاہ تمہارے لیے بن مول ہے لیکن دوسری نگاہ فائدہ میں نہیں نقصان میں ہوگی۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث بیانِ حکم کے لیے ہے یا اس اثر کے بیان میں ہے جو فطر تا نگاہ میں موجود ہوتا ہے۔ صاحب شرایع محقق طوسی اور علامہ حلی جیسے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حدیث احکامِ نگاہ کو ظاہر کرتی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پہلی نگاہ جائز ہے اور دوسری حرام۔ بعض دیگر دانشمندان کا کہنا ہے کہ عمدی نگاہ مطلقاً حرام ہے اور پہلی نگاہ اس لیے جائز ہے کہ وہ ارادی نہیں ہوتی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث شہوانی اور لذت خیز نگاہ کے ترک کی تاکید کے باب میں آتی ہے جو مطلقاً حرام ہے اور ہمارے موضوع گفتگو سے باہر ہے۔ یہ حدیث اس بات کو ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ انسان کی نگاہیں جب کسی حسین چہرے پر پڑتی ہیں تو وہ اسے اچھا معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ اسے دوبارہ دیکھنا اور لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں پہلی بار چونکہ لذت گیری غیر ارادی ہے اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دوسری بار چونکہ لطف اندوزی مقصود ہے اس لیے جائز نہیں۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ”النظر سلم من

لہ وسائل جلد ۳ - صفحہ ۲۴ - سن ۱۰۷۰ اور جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ میں اس عبارت کے ساتھ آیا ہے: ”یا علی لا تتبع النظرة بالنظرة فان لك الاولى وليست لك الاخرة“ وسائل میں نقل ہونے والی بعض شیعہ روایات بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی ہیں۔

سہام ابلیس مسموم و کم نظیر اور شدت حسرت طویلہ: ”یعنی نگاہ لذت گیر شیطان کے ذہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ کتنی ہی ایسی نگاہیں ہیں جو اپنے ساتھ حسرت اور تاسف لاتی ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے: ”زنا العینین الانتظر“ یعنی لذت کوش نگاہ ان دو آنکھوں کا زنا ہے۔

ان دونوں احادیث کا تعلق بھی شہوت آلود نگاہوں سے ہے اور ممکن ہے کہ بر بنائے احتیاط یہ ایک اخلاقی تاکید ہو۔

نہ پابندی، نہ آزادی

مجموعی طور پر جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ تو عورت کو گھر کی چار دیواری میں قید کرنے کی اس روش کا نام ہے جس سے مخالفین اسلام، اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور نہ ہی ایسی بے لگامی ہے کہ جسے آجکل کی دنیا نے اپنا رکھا ہے اور اس کے مذموم نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ ہماری مراد محفلوں میں مرد و زن کے باہمی استغلاط سے ہے۔

عورت کو مکمل طور پر گھر کی چار دیواری میں مقید کرنا ایک طرح کی سزا تھی جسے عارضی طور پر بدکار عورتوں پر لاکو کیا گیا۔

وَالَّتِي يَا تَيْبُ الْأَفْحِشَةَ مِنْ نِسَاءِ كُمْ فَاسْتَشْهِدُوا
عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ
فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يُجْعَلَ اللَّهُ لِهِنَّ سَبِيلًا

(سورۃ نساء، آیت ۱۵)

۱۔ وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۲۴ ۲۔ کافی جلد ۵ صفحہ ۵۵۹ اور وسائل جلد ۳۔ صفحہ ۲۴

تمہاری جو عورتیں زنا کی مرتکب ہوتی ہیں پہلے ان پر چار گواہ فراہم کرو۔ اگر چاروں نے (سنت میں بیان شدہ تفصیل کے مطابق) گواہی دی تو تم انہیں ان کی عمر کے اختتام تک گھر دل میں مجبوس کر لویا پھر خدا ان کے لیے دوسری راہ معین کرے۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ دوسری راہ سے مراد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم عارضی ہے اور آگے چل کر دوسرا حکم ان کے لیے آئے گا اور وہ دوسرا حکم سورۃ نور کی دوسری آیت ہے جو زانی اور زانیہ کی سزا کو معین کرتی ہے۔

مراد یہ ہے کہ اسلام محض مرد و زن کے بے قیدہ اختلاط کا مخالف ہے نہ اس بات کا کہ عورت محافل میں شرکت نہ کرے خواہ اس نے پردے کی پوری رعایت کا خیال کیوں نہ رکھا ہو۔

اسلام کا کہنا یہ ہے کہ نہ علیحدگی نہ یکجہتی بلکہ پردہ۔ جناب رسالتاً ص کے زمانے سے مسلمانوں کی روش یہی رہی ہے کہ عورتوں کو مجالس و محافل میں شرکت سے نہیں روکا جاتا۔ تاہم پردے کی رعایت ہمیشہ ملحوظ خاطر رہی ہے۔ مسجد ہو یا محافل یہاں تک کہ کوچہ و بازار میں بھی عورت کبھی مرد کے ساتھ ملحق نہیں رہی ہے۔ بعض مشاہد مشرفہ کی طرح کہ جو ہمارے زمانے میں غیر معمولی ازدحام کے حامل ہیں، ایسے اجتماعات میں مرد و زن کی باہمی شرکت شارح اسلام کی مرضی کے خلاف ہے۔

فتاویٰ

یہاں تک پردے اور نگاہ کرنے کے حدود سے متعلق دلائل نیز عورتوں اور مردوں کے مجموعی روابط کے بارے میں کتاب و سنت کے احکام ظاہر ہوئے ہیں

جو چہرے اور ہنچوں کے عدم ستر کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ان نگاہوں کو بھی جائز قرار دیتے ہیں جو لذت گیری کے لیے نہ ہوں۔

اب ہمیں اس بات میں فتاویٰ کی تلاش ہے۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ علمائے اسلام نے صدراول سے آج تک ان دونوں اہم مسائل کے باب میں کس طرح کے فتوے دیے ہیں؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کو چھپانے کے سلسلے میں فقہائے اسلام کا کیا نظریہ ہے؟ اور اس کے بعد ان پر نگاہ کرنے کے بارے میں ان کی رائے دریافت کرنا ہے۔

اس موضوع پر شیعہ و سنی علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے۔ البتہ اہل تسنن کے علماء میں سے صرف ایک عالم ابو بکر بن عبدالرحمن بن ہشام کو اس نظریہ سے اختلاف ہے چہرے کے بارے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ تاہم بعض علماء نے کلائیوں تک دونوں ہاتھوں یا پنڈلیوں تک دونوں پیروں کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا ان کا شمار استثناء میں ہوتا ہے یا نہیں؟

فقہی مسائل میں غالباً بہت کم ایسے مسئلے ہیں کہ جن میں شیعہ و سنی علماء کے درمیان اس طرح کا اتفاق رائے پایا جاتا ہو۔

اس ضمن میں علماء کے اقوال نقل کرنے سے پیشتر دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ ایک یہ کہ عورت کے اپنے بدن کو پوری طرح ڈھانپنے کے مسئلہ میں فقہاء دو مقامات کا تعین کرتے ہیں۔ ایک وقت نماز کیونکہ نماز میں عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام بدن کو ڈھانپے خواہ وہاں کوئی نامحرم ہو یا نہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چہرہ اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو بھی نماز میں چھپایا جانا

چاہیے یا نہیں؟

دوسرے نکاح کے باب میں کہ ربط کا کس حد تک اپنی پسندیدہ لڑکی کو دیکھ سکتا ہے۔ یہاں بھی عام طور پر اپنے آپ کو چھپانے یا نظر کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ایک مکمل بحث کی جاتی ہے۔

تاہم فقہ کی رو سے ہمارے پاس دو طرح کے ”ستر“ ہیں۔ ایک ستر صلاتی جو نماز سے متعلق ہے اور جس کے ساتھ پاک ہونے اور غصیبی نہ ہونے جیسے کچھ شرائط وابستہ ہیں اور دوسرے ستر غیر صلاتی کہ جس کی رعایت نامحرم لوگوں کے ضمن میں ضروری ہے۔ اس میں ستر صلاتی جیسی خاص شرائط نہیں ہیں۔ یہ بات بعد میں سامنے آئے گی کہ ستر صلاتی اور ستر غیر صلاتی میں حدود و مقدار کے اعتبار سے بظاہر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ فقہاً ایک خاص اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: چہرے اور کلاہوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ مستورات کا تمام بدن ”عورت“ ہے۔ لیکن ہے یہ تعبیر بعض افراد کے لیے بڑی معیوب ہو اس لیے کہ ان کے نزدیک ”عورت“ ایک نامناسب اور بڑی قبیح شے ہے۔ کیا اسلامی فقہ کے اعتبار سے چہرے اور کلاہوں کے علاوہ صنف نازک کا تمام بدن ایک بری اور قبیح شے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ”عورت“ کا لفظ ایک بری اور قبیح شے کے مفہوم میں نہیں ہے لہذا ہر بری اور قبیح شے کو ”عورت“ نہیں کہا جاتا بلکہ اسکے برعکس ”عورت“ کا لفظ ایسے موارد میں استعمال ہوتا ہے کہ جہاں برائی اور قباحت کا کوئی مفہوم نہیں نکلتا۔

مثلاً قرآن مجید کے سورۃ احزاب میں جہاں ضعیف الایمان افراد کا تذکرہ ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْتَأْذِنُ كَرِيمٌ مِنْهُمْ النَّبِيُّ يَقُولُونَ إِنَّ مَوَدَّةَ نِسَاءِ هَذِهِ
 وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنَّ يُرِيدُونَ الْإِفْرَارًا (سورة احزاب آیت ۱۳)

یعنی ان میں کا ایک گروہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واپس جانے
 کی اجازت چاہتا ہے اور کہتا ہے ہمارے گھر محفوظ نہیں ہیں حالانکہ ان کے گھر
 غیر محفوظ نہیں ہیں اور سوائے فرار کے کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

یہاں گھر کے سلسلے میں "عورت" کا لفظ غیر محفوظ ہونے کے اعتبار سے
 استعمال ہوا ہے اور ظاہر ہے اس میں برائی یا قباحت کا کوئی مفہوم پیدا نہیں ہوتا۔
 سورہ نور کی آیت ۵۹ میں کہ جس کی تفسیر پہلے ہو چکی ہے، نماز صبح سے پہلے دوپہر
 اور بعد عشاء کے اوقات کو "تین عورات" کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت
 استراحت کی غرض سے کپڑے اتار دیے جاتے ہیں اور ان کے بدن دیکھنے والوں
 کی نظر سے غیر محفوظ ہوتے ہیں۔

صاحب مجمع البیان جو الفاظ کے تجزیہ اور تحلیل کے اعتبار سے مفسروں میں
 بے نظیر اور غیر مفسروں میں کم نظیر سمجھے جاتے ہیں، سورہ احزاب کی آیت ۱۳ کے
 ذیل میں لغت کا مفہوم پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں؛

"والعورة كل شئ يتخوف منه في ثغرا و حرب و

مكان معور و دار معورة اذا لم تكن حريزة"

یعنی ہر وہ شے جو نقصان کے خطرے سے دوچار اور باعث تشویش
 ہو اسے عورت کہا جاتا ہے، جیسے سرحدی علاقے یا جنگ سے متعلق کوئی بات۔
 مکان معور یا خانہ معور اس مکان کو کہا جاتا ہے جو مستحکم نہ ہو اور ہر وقت اس
 کے گرنے کا احتمال ہو۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہی تفسیر تھیری نوعیت کی نہیں ہے۔

عورت کو "عورت" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بے حصار گھر کی مانند ہے اور کبھی بھی کسی نقصان سے دوچار ہو سکتی ہے۔ اس کے حصار کے لیے پرے کا تعین ضروری ہے۔

اب ہم فقہاء کے اقوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ حضرت علامہ حلیؒ

"تذکرۃ الفقہاء" کی کتاب الصلاۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سوائے چہرے کے مستورات کا تمام بدن "عورت" ہے۔ اس فیصلہ میں ابو بکر بن عبدالرحمن بن ہشام کی رائے مختلف ہے اور وہ چہرے کو مستثنیٰ قرار نہیں دیتے اسی لیے ان کی رائے بحکم اجماع ناقابل قبول ہے۔

ہمارے شیعہ علماء کے نزدیک کلائیوں تک دونوں ہاتھ بھی چہرے کا حکم رکھتے ہیں اور وہ "عورت" نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں مالک بن انس، شافعی، اوزاعی اور سفیان ثوری علمائے شیعہ کے ساتھ ہیں اس لیے کہ حضرت ابن عباس وَلَا يَبْدُونَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (سورۃ نور- آیت ۳۱) کی تفسیر میں چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو یکساں طور پر پرے سے مستثنیٰ شمار کرتے ہیں لیکن حضرت احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے نزدیک کلائیوں سمیت ہاتھوں کا چھپانا ضروری ہے۔ تاہم حضرت ابن عباس کا قول ان کے رد کے لیے کافی ہے۔

اس کے بعد علامہ حلیؒ پاؤں کے چھپانے کے بارے میں گفتگو کو آگے بڑھاتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ فقہائے اسلام نے نرصلاتی کے باب میں سورۃ نور کی آیت سے استفادہ کیا ہے جو نماز سے متعلق نہیں ہے کیونکہ بدن کے وہ حصے جو

نماز میں چھپے ہوئے ہونے چاہئیں، نامحرم کے سامنے بھی ان کا چھپانا ضروری ہے۔
 غالباً گفتگو اس بات میں ہے کہ کیا نماز میں نامحرم کے سامنے آنے کی شرط سے
 زیادہ بدن کے حصوں کا ڈھانپنا ضروری ہے؟ لیکن اس بارے میں بحث کی
 کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جن حصوں کا نماز میں کھلا رہنا روا ہے نامحرم کے سامنے
 بھی ان کا ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔

اندلس کا مشہور فلسفی اور طبیب "ابن رشد" "بدریۃ المجتہد" میں لکھتا ہے:
 "بیشتر علماء کا یہ خیال ہے کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں
 کے علاوہ مستورات کا تمام بدن عورت ہے۔ حضرت ابوحنیفہ کہتے
 ہیں کہ مستورات کے دونوں پاؤں بھی "عورت" میں شامل نہیں
 لیکن ابو بکر بن عبد الرحمن بن ہشام کا خیال ہے کہ مستورات کا تمام
 بدن بلا استثناء عورت ہے۔"

شیخ جواد مغنیہ اپنی کتاب "الفقہ علی المذاہب الخمسہ" میں لکھتے ہیں:
 "علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ہر عورت اور ہر مرد پر لازم
 ہے کہ وہ اعضاء کہ جو علاوہ حالت نماز چھپائے جانے کا حکم
 رکھتے ہیں حالت نماز میں بھی ان کے وہی اعضاء پوشیدہ
 رہیں گے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ نماز میں اس سر عورت
 کے حدود بڑھ جاتے ہیں یا وہی رہتے ہیں؟ عورتوں کے بارے
 میں گفتگو یہ ہے کہ کیا چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھ یا ان
 کا کچھ حصہ نماز میں چھپانا ضروری ہے یا نہیں؟ درآنحالیکہ عام

حالت میں ضروری ہے اور مردوں کے بارے میں گفتگو یہ ہے کہ
کیا ان کے لیے بوقت نماز ناف اور گھٹنوں سے بڑھ کر دیگر اعضا
کا چھپانا بھی ضروری ہے یا نہیں؟
اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

”علمائے شیعہ امامیہ کے نزدیک عورت پر حالت نماز میں بس
وہی سزا واجب ہے جو ایک نامحرم کے سامنے جاتے ہوئے اس پر
واجب ہے....“

اس سلسلے میں علماء کے اقوال کا بیان بہت طویل ہو جائے گا۔ گذشتہ علماء
نے اپنی کتابوں میں جہاں بھی گفتگو کی ہے اسی طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن
عام طور پر فقہاء کے درمیان حالت نماز میں بدن کو ڈھانپنے کے مسئلہ اور نکاح کے
سلسلے میں عورت کو دیکھنے کے مسئلہ پر اختلاف رہا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بعض اعانم فقہائے معاصر نے ”تذکرہ“ میں علامہ حلیؒ
کے بیان سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ چہرے کا ڈھانپنا واجب ہے بلکہ جو بالکل غلط
ہے۔ علامہ حلیؒ کو ”تذکرہ“ میں چہرے اور ہاتھوں پر جواز نظر میں دوسروں سے
اختلاف ہے نہ کہ پردے میں، جسے ہم ابھی بیان کریں گے۔

علامہ حلیؒ ”تذکرہ الفقہاء“ کی کتاب نکاح میں جواز و عدم جواز نظر کے

لے حضرت آیت اللہ حکیم مستح العروہ، جلد ۵ صفحات ۱۹۰-۱۹۲ میں چہرے کے کھلنے
رہنے کے دلائل کو تقویت بخشنے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”ومن ذلك يظهر ضعف ما سئل
التذکرہ من المنع وقواه في الجواهر...“ ظاہراً مسئلہ پر مصاحب جواہر کی رائے وجوب وترکے
متعلق نہیں بلکہ مسئلہ نظر کے ضمن میں ہے۔ بہر حال ”تذکرہ“ میں علامہ سے اسکی نسبت قطعاً درست نہیں ہے۔

مسئلہ میں کہتے ہیں:

”عورت پر مرد کی نگاہ، حاجت اور ضرورت کے تحت ہے (کہ جہاں تصد نکاح ہو) یا بلا احتیاج ہوتی ہے۔ اگر بلا احتیاج ہے تو چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ بدن کے کسی اور حصے پر نگاہ ڈالنا جائز نہیں لیکن چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں پر نگاہ ڈالنے میں بھی اگر فتنہ کا خوف ہو تو پھر ان کا دیکھنا بھی جائز نہ ہوگا لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو شیخ طوسی کے نظریے کے مطابق دیکھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ مکروہ ہے اکثر شافعی بھی اس خیال سے مستفق ہیں لیکن ان میں بھی بعض کے نزدیک چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا دیکھنا حرام ہے“

علامہ حلیؒ اس خیال کے حامل شافعی مذہب کے پیروکاروں کے دلائل نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میرے خیال میں بھی چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کا دیکھنا حرام ہے“

محقق طوسی شرایع الاسلام میں کہتے ہیں: چہرے اور ہاتھوں پر نگاہ صرف ایک دفعہ جائز ہے لیکن اس کی تکرار درست نہیں۔ شہید اولؒ نے لمحہ میں اور علامہ حلیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں اسی نظریے کو اپنایا ہے۔

مجموعی طور پر چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو دیکھنے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

(الف) مذکورہ میں علامہ تے اے مطلق ممنوع قرار دیا ہے اور محدو ذے چند دیگر

علماء نے کہ جن میں صاحب جواہر بھی شامل ہیں اسکی تائید کی ہے۔

(ب) صرف ایک دفعہ دیکھنا اور تکرار نظر کی ممنوعیت محقق نے شرایع میں شہید اولؒ نے لمحہ اور علامہؒ نے اپنی بعض کتابوں میں اس نظریہ کا اتباع کیا ہے۔ (ج) جواز مطلق — شیخ طوسی، کلینی، صاحب حدائق اور شیخ انصاری نے اس نظریہ کی تائید کی ہے۔ اس کے علاوہ زرقانی نے مسالک میں اس قول کی تائید کرتے ہوئے ان دلائل کو رد کیا ہے جن سے شافعی مذہب کے پیروکاروں نے تمسک کیا ہے اور جو علامہ حلیؒ کی پسندیدگی کا باعث بنے ہیں لیکن آخر میں وہ کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حکم تحریم احتیاط اور سلامتی کا راستہ ہے۔

یہاں تک ہم نے پردے اور حرمت نگاہ کے بارے میں قدیم علمائے اسلام کے نظریات کو ہمیشہ کیا ہے لیکن علمائے متاخرین :-

آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم "عروۃ الوثقی" میں نماز سے ہٹ کر ستر بدن کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"عورت پر واجب ہے کہ وہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو نامحرم سے چھپائے رکھے؛ دیکھنے کے مسئلہ میں آپ کا ارشاد ہے:

"مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا ناجائز ہے۔ بعض علماء نے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان پر نگاہ کرنا مطلقاً جائز ہے۔ بعض نے ایک بار دیکھنے

لے عروۃ الوثقی، کتاب الصلاة، فصل ستر۔

کو جائز اور دوبارہ دیکھنے کو ناجائز کہا ہے جبکہ کلی طور پر نہ دیکھنا
 احوط ہے ۴

لیکن فقہائے متاخر و معاصر نے زیادہ تر ان دونوں مسائل میں واضح طور پر
 اظہار خیال سے اجتناب کیا ہے اور اپنے رسالہ جات عملیہ میں احتیاط کو پیش نظر
 رکھا ہے۔

علمائے متاخرین اور معاصرین کے درمیان حضرت آیت اللہ حکیم اعلیٰ اللہ
 تقی نے منہاج الصالحین کے نویں ایڈیشن میں کتاب النکاح، مسئلہ سوم میں ایک
 واضح فتویٰ صادر کیا ہے اور اس میں آپ نے صریحاً چہرے اور کلائیوں تک دونوں
 ہاتھوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

جنس عورت سے قصد نکاح ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ اسی طرح
 ذمی عورتوں کو بھی دیکھنا جائز ہے مگر قصد لذت نہ ہونے کی
 شرط کے ساتھ یہی حکم بے پروا عورتوں کے باب میں بھی ہے
 جن پر نصحت اثر انداز نہیں ہوتی، مگر یہاں بھی قصد لذت نہ
 ہونے کی شرط ہے اور اسی طرح وہ عورتیں جو کسی نہ کسی عنوان
 سے محرم ہیں، ان کے علاوہ دوسری تمام عورتوں کو دیکھنا حرام
 ہے مگر یہ کہ ان کے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں پر
 نظر جا پڑے، یہاں بھی قصد لذت نہ ہونے کی شرط ہے۔“

حس احتیاط

بلاشبہ جواز نظر اور چہرے اور کلائیوں تک ہاتھوں کے کھلے رہنے کے

لے عروۃ الوثقی، کتاب النکاح، مسئلہ ۳۱۔

سلسلے میں صریحاً فتویٰ سے پرہیز کا سبب علماء کی حس احتیاط ہے۔ بہر شخص اپنے ضمیر میں یہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت دو الگ خصوصیات کے حامل ہیں۔ عورت خود آرائی اور خود نمائی کی دلدادہ اور مرد تا تک جھانک اور نظر بازی کا شوقین ہوتا ہے۔ بقول رسالہ ”توفیق“:

”یہ جو شعر عورت کو مرد سے تشبیہ دیتے ہیں وہ اس لیے نہیں ہے کہ وہ راست قامت ہے بلکہ اس لیے ہے کہ عورت سرد کی طرح سردی اور گرمی سے بے نیاز ہے اور دونوں عموماً میں برہنہ باہر نکلتی ہے اور سردی کی تکلیف سے ہرگز نہیں گھبراتی۔“

عورتوں کی خود نمائی اور مردوں کی نظر بازی کے بارے میں ”ویل دوراں“ لکھتا ہے:

”انسانی افعال و کردار میں اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات کیا ہو سکتی ہے کہ سن رسیدہ لوگ اس پیرانہ سالی میں عورتوں کے پیچھے دوڑیں اور عورتیں تا دم مرگ معشوق اور محبوب بننے کی تمنا کریں۔ عورت میں دلچسپی انسانی کردار کا سب سے مضبوط عنصر ہے۔ دیکھو یہ مکار جانور کس طرح اپنے شکار کے تعاقب میں ہے۔ درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو اخبار پڑھنے میں محو ظاہر کر رہا ہے۔ اس کی طرف توجہ دو اور دیکھو کہ وہ کس طرح اس کو اپنا دائمی اسیر بنانے کی دھن میں ہے۔ اس کا خیال ذہن میں لاؤ اور مشاہدہ کرو کہ وہ کیونکر پروانہ وار شمع کے گرد گھومنے میں مصروف ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ بات کیونکر رونما ہوتی ہے؟ نگاؤ کی ان گہری جڑوں کا تعلق کس چیز سے ہے؟ اور کس مراحل سے گزر کر اس موجودہ مرحلہ اور جنون تک پہنچتا ہے؟“

جی ہاں ہم اس بیان شدہ حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ تاہم ہم جانتے ہیں کہ پاکدامنی اور تقویٰ اسلام کے اصولوں میں سے ایک حتمی اصول اور خاندانی و معاشرتی قوانین کا لازمہ ہے۔

کتمان یا اظہار

اسی بنیاد پر اس مسئلہ میں عملی طور پر دو مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں: ایک یہ کہ صاحبانِ فتویٰ موجودہ صورتِ حال کے پیش نظر اپنے جی میں بہت سخت گھبراتے ہیں کہ چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے کے عدم وجوب اور ان پر عدم حرمت نگاہ کے بارے میں فتویٰ صادر کریں لہذا وہ اپنی سلامتی اسی میں سمجھتے ہیں کہ صرف ایک ”الاحوط“ کہہ کر اپنی جان بچائیں۔

دوسری صورت حال یہ ہے کہ بعض افراد کا مختار یہ ہے کہ اگرچہ حقیقت اور واقعیت کی رو سے مفہوم یہی ہے لیکن اس دور کے پیش نظر جہاں ہر شخص ایک بہانہ کی تلاش میں ہے کہ پردے کے قیود سے جس طرح بھی ہوسکے چھپکارا حاصل کرے ضروری ہے کہ ہم حقائق کے ایک حصے کو پوشیدہ رکھیں تاکہ یہ حصہ ان کے لیے بہانہ نہ بنے۔

یہ درست ہے کہ اسلام نے چہرے اور کلائیوں تک دونوں ہاتھوں کے چھپانے جانے کو واجب قرار نہیں دیا ہے لیکن اسے لوگوں کو نہیں بتانا چاہیے کہ اس حقیقت کو سننے کے بعد عورتیں نہ صرف یہ کہ چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھیں گی بلکہ ان کا سر، سینہ اور گھٹنوں تک پیر بھی کھل جائیں گے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں ”کتمان یا پوشیدگی کا فلسفہ“ ابھرتا ہے۔

جب میں نے داستان رستان (سجوں کی باتیں) نامی کتاب لکھی تو خوزستان کے ایک عالم نے مجھے ایک خط لکھا۔ اس فاضل ہستی نے میری کتاب کو سراہتے ہوئے اسے بہت مفید قرار دیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے ان تمام داستانوں کو اصل ماحذ سے ملایا ہے اور حرف بہ حرف درست پایا ہے لیکن اس نے یہ معروفہ بھی کیا ہے کہ میں اس میں سے دو داستانوں کو نکال دوں، اس لیے کہ ان سے غلط استفادہ کا اندیشہ ہے :

ایک داستان کا تعلق گھر کے کاموں کی تقسیم سے تھا جسے جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے درمیان قائم کیا تھا۔ آپ نے باہر کے کاموں کو جناب علیؑ اور گھر کے کاموں کو جناب سیدہ کے سپرد فرمایا لیکن جناب سیدہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں باہر کے کاموں کی ذمہ داری بھی قبول کرتی تھیں۔

دوسری داستان بردہ فروشی سے متعلق ہے جس میں جناب رسول خداؐ نے اس کام کی مذمت کی ہے۔

اس مرد عالم نے مجھے تاکید کی کہ میں ان دونوں داستانوں کو باوجود اس کے کہ ان کی اصل و اساس درست ہے، کتاب سے نکال دوں اس لیے کہ پہلی داستان سے وہ لوگ غلط فائدہ اٹھائیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور دوسری داستان بردہ فروشی کے مخالفین کو مؤانستہ کا موقع دے گی۔

میں اس کلی اصول کا مخالف نہیں ہوں کہ وہ چیز نہ کہی جائے جو حقیقت سے انحراف کا باعث ہو اس لیے کہ بحث لوگوں کو حقیقت سے نزدیک کرنے کے لیے کی جاتی ہے نہ یہ کہ اس کو پڑھ کر لوگ حقیقت سے دور ہونے لگیں البتہ

کتمان حقائق یا حقائق کی پردہ پوشی فعل حرام ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا آتَانَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ
مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُمْ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ لَا أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ
اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ النَّاسُ - (سورہ بقرہ - آیت ۱۵۹)

یعنی وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ ان حقائق کو اس کے بعد
چھپاتے ہیں جبکہ ہم نے انہیں واضح کر دیا ہے، ان پر خدا
اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

آیت کا انداز بڑا سخت اور شدید ہے۔ قرآن مجید نے بہت کم موضوعات
میں اتنا سخت لہجہ اختیار کیا ہے۔

بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ غالباً مراد یہ ہے کہ لوگ اپنے ذاتی منافع کی
خاطر حقائق سے صرف نظر نہ کریں اور انہیں پوشیدہ نہ رکھیں لیکن یہ بات اس آیت
کے ذیل میں نہیں آتی کہ ہم حقیقت کو خود حقیقت کی خاطر دالبتہ محدود اور معین
شرائط سے وہ بھی اس لیے کہ لوگ اس سے سوء استفادہ نہ کریں (بیان نہ کریں۔
دوسرے لفظوں میں جھوٹ بولنا فعل حرام ہے لیکن سچ بولنا بھی ہمیشہ واجب نہیں۔
یعنی کبھی کبھی بعض مسائل میں خاموشی ضروری ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی مصلحت اندیشیاں اگر درحقیقت یہی مصالح
کی بنیاد پر ہوں اور ان میں طبقاتی، شخصی یا صنفی منافع کا دخل نہ ہو تو اس میں کوئی
مضائقہ نہیں ہے۔

لیکن گفتگو یہ ہے کہ ریڈیو کی خرید و فروخت کے عدم حوازہ باچہرے اور ہاتھوں
کے چھپائے جانے کے عدم وجوب سے متعلق فتویٰ نہ دینے کو ہم عاقلانہ اور صحیح
مصلحت اندیشی پر محمول کر سکتے ہیں؟ کیا واقعی صورت حال ایسی ہی ہے کہ خود میں اپنے

چہرے اور ہاتھوں کو چھپانے لگیں گی اور اس حقیقت کو برعلا کرنے سے چہرے، ہاتھ اور تمام بدن عریاں ہو جائے گا یا حقیقتِ امر اس سے مختلف ہے۔

یعنی بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں یہ سوچنے لگیں گی کہ مذہبی اعتبار سے عورت کا چہرہ کھلا ہونا نہیں ہونا چاہیے اور اگر چہرہ کھل گیا تو گویا بات ختم ہو گئی، یا پھر وہ چہرے کے چھپانے کو غیر عملی اور غیر منطقی سمجھنے لگیں گی اور کوئی فلسفہ یا کوئی استدلال ان کے لیے مفید نہ ہوگا اور وہ مرتزاقا عریاں ہو جائیں گی۔

بعض اجتماعی امور سے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ اس افراط اور بے لہ روی کا سبب وہ غلط توہمات ہیں جو ایک معاشرہ پر وہ کے بارے میں رکھتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ نہیں کیا گیا۔ اگر بات اس طرح کہی جاتی جس طرح اسلام نے کہی ہے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ یہ صورت حال ”لوپ سے زیادہ کیتھولک بننے کی کوشش“ میں رد نما ہوئی ہے۔ قرآن حکیم سورہ حجرات میں ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ
وَرَسُولِهِ - (سورہ حجرات - آیت ۱)

یعنی اے ایمان لانے والو! اللہ اور اسکے رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔

اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دینداری اور بزرگی کو اس حد تک بے جا نہیں کہ جہاں تک خدا اور اس کے رسولؐ نے حکم نہیں دیا اور پیغمبرؐ سے بھی آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ امیر المؤمنین علیؑ فرماتے ہیں:

”ان الله حدد حدودا فلا تعتدوها و فرض فرائض
فلا تنترکوها و سکت عن اشياء لم یسکت عنها انسانا فلا تنکفوها“

یعنی خداوند عالم نے ہر چیز کے حدود معین کیے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔
 (بعض محرمات کا تعین کیا ہے اسے نہ توڑو) اور بعض واجبات لاگو کیے ہیں انہیں
 ترک نہ کرو اور بعض چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے (نہ انہیں
 حرام کیا ہے نہ واجب) یہ سکوت بھول کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس نے یہ چاہا ہے
 کہ تم ان موارد میں آزاد رہو، پس تم ان راستوں میں اپنے کو تکلیف اور مشقت
 میں نہ ڈالو اور آپ سے آپ دین اور خدا کے نام پر تکلیف معین نہ کرو۔
 ”جامع الصغیر“ میں نقل ہونے والی ایک حدیث میں جناب رسالتاً ﷺ
 نے ارشاد فرمایا:

”ان اللہ یحب ان لیوتی رخصه کما یکرہ ان یوتی معصیہ“
 یعنی جس طرح خداوند عالم اس بات سے ناخوش ہوتا ہے کہ بندے
 ان چیزوں پر عمل کریں جنہیں اس نے نہ کرنے کے لیے کہا ہے اسی طرح اس بات
 سے خوش ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق ان امور پر بالکل اسی طرح عمل کرے جس طرح
 اس کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور اپنی طرف سے کمی و بیشی نہ کرے۔
 اس حدیث کو ان الفاظ میں بھی نقل کیا گیا ہے:

”ان اللہ یحب ان یؤخذ برخصه کما یحب ان یؤخذ بعزائمه“
 یعنی خداوند عالم پسند کرتا ہے کہ اس نے جس چیز کو مباح قرار دیا اور لوگوں
 کو اس کی چھوٹ دے رکھی ہے لوگ اسی طرح اسے مباح سمجھیں اور یہ بات
 بالکل اسی طرح ہے جس طرح وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی منع کی ہوئی ہر شے کو
 ناروا سمجھیں۔

ممکن ہے میرا یہ نظریہ غلط ہو۔ میں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ اس قسم
 کے فرعی مسائل میں ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے مجتہد کے فتویٰ پر عمل کرے لیکن

حقیقت کو مصلحت اندیشی کے نام سے چھپانے کے بارے میں میری رائے مختلف ہے۔ میں مصلحت کو حقیقت بیانی میں مضمر سمجھتا ہوں۔ مصلحت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورتوں کے ذہن سے یہ بات نکال دی جائے کہ پردہ ددر حاضر میں غیر عملی تھے ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ بات ثابت کریں کہ اسلامی پردہ بلاشبہ ایک مکمل منطقی راہ حیات ہے۔

پھر اس بات کی کوشش کریں کہ ہم اپنی تمدنی، اجتماعی اور دیگر سرگرمیوں میں عورتوں کے لیے خصوصی فعالیتوں کی تشکیل کریں اور ان تنظیموں سے برسرِ پیکار رہیں جو یورپ کی احمقانہ تقلید میں عورتوں اور مردوں کی مشترکہ سرگرمیوں سے وجود میں آئی ہیں۔ صرف یہی وہ صورت ہے جس سے عورتیں اپنا حقیقی مقام حاصل کریں گی اور آزادی و مساوات کے نام پر مردوں کے ہاتھ کا کھلونا اور بعض مواقع پر ان کی شہوت رانی کا ذریعہ نہیں بنیں گی۔

دو اور مسائل

عورتوں اور مردوں کی معاشرت کے باب میں دو مسئلے رہ گئے ہیں جن کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ یہ مسائل عورتوں کی آواز اور ان سے ہاتھ ملانے کے سلسلے میں ہیں۔

عورتوں کی آواز سے متعلق مسئلہ میں ظاہراً یہ بات مسلم ہے کہ عورتوں کی آواز سننا جائز ہے بشرطیکہ اس میں لذت گیری کا عنصر موجود نہ ہو۔ آیت اللہ سید محمد کاظم طباطبائی یزدی مرحوم "عروة الوثقی" باب نکاح فصل اول کے مسئلہ ۳۹ میں ارشاد فرماتے ہیں:

لا باس لسماع صوت الاجنبیہ ما لم یکن تلذذ ولا

ربيبته من غير فرق بين الاعشى والبصير وان كان
 الاحوط للترك في غير مقام الضرورة ويحرم
 عليها اسماع الصوت الذي فيه تلهيم السامع
 بتحسينه وترقيقه - قال تعاطى فلا تخضعن بالقول
 فيطمع الذي في قلبه مرض -

یعنی لذت گیری اور رغبت کا دخل نہ ہونے کی صورت میں عورت کی آواز
 سننا جائز ہے لیکن اس کے باوجود اگر ضرورت ایجاب نہ کرے تو اس کا ترک بہتر
 ہے اور عورت پر حرام ہے کہ وہ اپنی آواز کو باریک خوبصورت اور اس طرح بنا
 کر پیش کرے کہ وہ ہیجان انگیز ہو، جیسا کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے کلام پاک
 میں ازواج پیغمبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بات کرتے ہوئے اپنی آوازوں
 کو باریک اور ہیجان خیز نہ بناؤ کہ جس سے بیمار دل افراد دلچ میں پڑ جائیں۔
 عورت کی آواز سننے کا مسئلہ مسلمات میں سے ہے اور اسکی دلیل اسکی ضرورت اور
 مسلمانوں کی روش ہے۔ ہم اسے خصوصی طور پر رسولؐ خدا اور ائمہ طاہرین علیہم السلام
 کی قطعی تاریخی سیرت میں اجاگر پاتے ہیں۔

اس کے علاوہ مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ گفتگو جس میں ناز و ادا
 کا دخل نہ ہو جائز ہے۔ یعنی خود یہ آیت اجنبی مرد و زن کے باہمی گفتگو کے جواز
 پر دلیل ہے۔

صرف شہید اولؒ نے ”لمعہ“ میں کہا ہے: ویجوز سماع صوت الاجنبیۃ
 اور بعض فقہائے معاصر نے کتابت میں غلطی کا احتمال ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ
 لکھنے میں ”لا یحرم“ - ”یحرم“ ہو گیا ہے۔

دوسرے سلسلہ میں جو ہاتھ ملانے سے متعلق ہے اگر لذت اور رغبت کا

دخل نہ بھی ہو جب بھی اجنبی مرد اور عورت کے درمیان یہ طرز عمل جائز نہیں ہے۔ مگر یہ کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کوئی کپڑا یا دستانہ حائل رہے۔ اس مسئلہ میں بھی علماء کے درمیان مکمل اتفاق ہے۔ بعض روایتوں میں دستانہ یا حائل کی شرط کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ ہاتھ کو زور سے دبایا بھی نہ جائے۔ سید مرحوم عروۃ الوثقی میں پچھلے مسئلہ کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

”لا یجوز المصافحة الا جزیبہ نعم لا بأس بها من وراء التوب“

یعنی عورت سے ہاتھ ملانا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ درمیان میں کوئی کپڑا

حائل ہو۔

نظا ہر ہے کہ دستانے یا کپڑے کی موجودگی کے ساتھ اجنبی عورت کے ساتھ ہاتھ ملانے کا جواز اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ اس میں لذت اور رغبت کا دخل نہ ہو لیکن اگر لذت و رغبت کا عمل دخل ہو تو جیسا کہ بعض علماء نے ”عروہ“ کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے قطعاً حرام ہے۔

مسائل اسان

اردو ترجمہ

تصنیف :-

ترتیب، تہذیب و اضافات :

حجۃ الاسلام حاج

بیگم طیبہ سیدہ

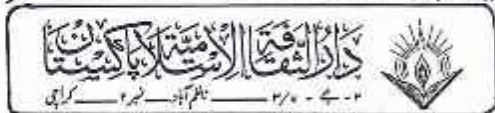
شیخ محمد وحید دامت برکاتہ

خواتین سے متعلق مخصوص مسائل پر مشتمل جامع ،

منظم اور منفرد کتاب جس میں ان مسائل کو صراحت کے

ساتھ نہایت آسان پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

ویدہ زیب سرورق۔ سفید کاغذ۔ آفٹ طباعت۔ ۱۳۶ صفحات۔ قیمت صرف ۱۵ روپے









اسلام کے انقلابی افکار اور حقیقی معارف کے ادراک کے لیے

کتاب الثقافت الاسلامیہ

کے پیشہ کشت

۱۵/-	الشہید سید محمد باقر الصدر	ہمارا پیام	○
۲۰/-	حسین بن سعید ابو ازی	کتاب المؤمن	○
۱۵/-	سید سبط الحسن سنوی	تذکرہ مجید... شہید ثالث	○
۱۰/-	الشہید سید محمد باقر الصدر	تشیع اور رہبری	○
۱۵/-	محمد مہدی الآصفی	فلسفہ امامت	○
۴۶/-	استاد شہید مرتضیٰ مطہری	درس قرآن	○
۱۰/-	محمد مہدی الآصفی	درس انقلاب	○
ذریعہ	ڈاکٹر علی قائمی	اسلام دین حرکت	○
۲۰/-	محمد یوسف حریری	صدائے حضرت سجادؑ	○
۲۵/-	ڈاکٹر محمد رضا صالحی کرمانی	فکر حسین کی الف ب	○
۲۰/-	سید علی شرف الدین موسوی	تفسیر عاشورا	○
ذریعہ	عسکری یزدی	حسین شناسی	○
○	ڈاکٹر علی قائمی	عاشورا اور خواتین	○
○	ڈاکٹر علی قائمی	پیام شہیدان	○
○	سید رضا برقی۔ ڈاکٹر محمد جواد باہنر	اسلام کے بنیادی اصول و احکام	○
○	ڈاکٹر علی محمد نقوی	شرح اصطلاحات اسلامی	○
○	استاد نامہ مکارم شیرازی	اسلام اور مارکسزم	○
۱۵/-	عاج۔ شیخ محمد حیدری	آسان مسائل	○